ندائے خلافت

لاہور

توحید

اسلامی انقلاب اور اجتماعی عدل کی فکری اساس

تفکر و تذکر ______ از ڈاکٹر اسرار احمد

زیرِ زمین ایم کیو ایم زیادہ خطرناک ہو گی

کراچی میں الطاف کا سحر قائم ہے

______ عبدالکریم عابد کا تجزیہ

عقوبت خانوں کے انکشاف کے موقع پر ایک لطیفہ بھی بڑا عام ہوا کہ . . .

رحیم کاشفی نے کراچی سے لکھا

خبروں کا آئینہ

لاہور (دی نیوز رپورٹ) لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) عالم جان محسود نے پاکستانی فوج سے کہا ہے کہ وہ ملکی سیاست سے دور رہے۔ انہوں نے دو سال بعد اپنے خلاف عائد کردہ فوجی سروسز قوانین کے انضباطی حکم کی خاموشی ختم کرتے ہوئے ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران آرمی کی طرف سے سیاست گری کی تفصیل بیان کی جس کی وجہ سے اس وقت کی حکومت کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ روزنامہ دی نیوز راولپنڈی کو گذشتہ روز ۵۸ سالہ ریٹائرڈ سابق لیفٹیننٹ جنرل نے جنہیں سابق فوجی سربراہ جنرل اسلم بیگ کے دور کا سب سے مضبوط اور بااختیار کور کمانڈر کا درجہ حاصل تھا' یہ انکشاف کیا کہ سابق فوجی سربراہ نے ایم کیو ایم کی حمایت کی اور ملکی مفاد کے خلاف سیاست میں طبع آزمائی کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اس عرصہ میں کور کمانڈرز کے اجلاسوں اور دیگر مواقع پر ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیتے رہے اور یہ رائے دیتے رہے کہ پاکستان آرمی کو اپنا پیشہ ورانہ کردار ہی ادا کرنے تک محدود رہنا چاہیے اور اسے سیاست میں دخل اندازی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جب کوئی فوجی تھانیدار بننے کی کوشش کرے تو اس سے اس کی فوجی پیشہ ورانہ حیثیت کو نقصان پہنچتا ہے۔

انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ سندھ اور کشمیر کے مسئلہ پر ہائی کمان کے ساتھ اپنے اختلافات کا اظہار کرتے رہے۔ لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) عالم جان محسود نے اس بات کی بھی تصدیق کی کہ جیسا کہ بیشتر لوگ جانتے ہیں' سابق فوجی سربراہ جنرل اسلم بیگ نے سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی حکومت کی برخواستگی سے چھ ماہ پہلے ہی اسے چلتا کرنے کی کوششوں کا آغاز کردیا تھا اور بے نظیر بھٹو کی حکومت کو صدارتی حکم کے تحت برخواست کرنے کا فیصلہ کور کمانڈرز کے ۲۳۔ ۲۱ جولائی ۱۹۹۰ء کے اجلاسوں میں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ پی پی اور آئی جے آئی کے مابین سیاسی کشیدگی سے قطع نظر وہ ملکی سیاست میں فوج کی مداخلت کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ملک میں تمام خرابیوں کے لئے خاکی وردی والوں کو ہی قصوروار سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہمیں ملکی سیاست سے الگ تھلگ رہ کر ایک مثال قائم کرنی چاہیے تھی کیونکہ سیاست فوج کا بزنس نہیں ہے۔

وزیراعظم کے خصوصی معاون چودھری نثار علی خان کے ایک حالیہ بیان کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ سابق فوجی سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ نے ہی بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پیش کرنے کے لئے ایم کیو ایم کو آئی جے آئی کے ساتھ منسلک کرایا تھا' لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) عالم جان محسود نے کہا کہ ان کا (چودھری نثار علی کا) یہ بیان بالکل درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب مئی ۱۹۹۰ء میں راولپنڈی میں آرمی کمانڈروں کی ایک میٹنگ میں جنرل مرزا اسلم بیگ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ فوج سندھ کے حالات کو دو تین ہفتوں کے اندر ہی درست کرسکتی ہے لیکن انہوں نے اس اجلاس میں ان کی اس تجویز کی سخت مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ سندھ کے حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ انہیں دو یا تین سال کی مدت میں بھی درست نہیں کیا جاسکتا بلکہ کئی دہائیوں کے عرصہ میں بھی انہیں صحیح سمت کی طرف نہیں موڑا جاسکتا کیونکہ خود فوج نے ہی ۸۸۔ ۱۹۸۳ء کے دوران اپنی غلط پالیسیوں کی وجہ سے سندھ میں حالات خراب کئے تھے۔ انہوں نے ۱۹۹۰ء کے موسم بہار میں سندھ میں فوجی کارروائی کی تجویز کی پرزور مخالفت کی تھی اور یہ جواز پیش کیا تھا کہ اس طرح سندھی خود کو تنہا محسوس کرنے لگیں گے جس کے نتیجہ میں قومی مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اب بھی سندھ میں فوجی آپریشن کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ سندھ کا اصل مسئلہ سماجی اقتصادی نوعیت کا ہے جسے فوجی ایکشن سے حل نہیں کیا جاسکتا۔

انہوں نے کہا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایم کیو ایم میں جرائم پیشہ عناصر موجود ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری مہاجر برادری کو مجرم سمجھ لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے کشمیر کے مسئلہ پر سابق فوجی سربراہ کی پالیسی سے اختلاف کیا تھا اور بار بار کہا کہ ان کی پالیسی سے کشمیری عوام کے کاز کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن ان کا سب سے بڑا اختلاف فوج کا ملکی سیاست میں ملوث ہونا ہے۔ ان کی اب بھی یہی رائے ہے کہ اس عمل سے قوم کے مقدر سے کھیلا جارہا ہے کیونکہ ایک سب سے بری شکل کی جمہوریت بھی ایک بہترین ڈکٹیٹرشپ سے بہتر ہوتی ہے۔ (جنگ ۲۶ر جولائی)

لاہور (وقائع نگار خصوصی) سابق نگران وزیراعظم اور این پی پی کے سربراہ مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے کہا ہے کہ سندھ کے لوگ گذشتہ دس سال کے دوران ہر دور حکومت میں ڈاکوؤں' لٹیروں اور تخریب کاروں کے ہاتھوں اتنے پریشان ہوئے ہیں کہ اب جو بھی انہیں چین سے سونے کے لئے ایک رات فراہم کردے گا' وہ اس کی پوجا کریں گے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے اتوار کی شام یہاں کراچی سے لاہور پہنچنے کے بعد مسٹر ثاقب بچہ کی اقامت گاہ پر نوائے وقت سے بات چیت کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ سندھ کے لوگوں نے اب تک کافی مار کھائی ہے۔ جونیجو' پیپلزپارٹی اور آئی جے آئی' ہر دور میں سندھ کے عذاب میں اضافہ ہی ہوا ہے اور حالات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ سندھ کے لوگ سڑکوں' ریل گاڑیوں' دیہاتوں' شہروں اور ہسپتالوں حتیٰ کہ مساجد میں بھی خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ جبکہ سندھ کی اقتصادی حالت بھی تباہ ہوگئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ اب سندھ میں فوجی ایکشن ہوا ہے جس کے نتیجے میں بعض حقیقی ڈاکو مارے گئے ہیں اس لئے فوجی ایکشن کے بارے میں سندھ میں اچھا تاثر پیدا ہوا ہے اور اگر اسی طرح انصاف پر مبنی فوجی ایکشن ہوتا رہا تو اس ایکشن میں یقیناً کامیابی حاصل ہوگی اور اس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ متعلقہ سیاسی جماعتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سیاست کو دور رکھ کر فوج کی مدد کریں تاکہ سندھ کے لوگوں کو فوج کے ذریعہ صحیح معنوں میں مدد مل سکے

سندھ حکومت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سندھ حکومت کی پوزیشن انتہائی کمزور ہے لیکن وہ اب تک ہارس ٹریڈنگ اور ڈنڈے کے سہارے سے چل رہی ہے۔ اس سوال پر کہ آیا استعفوں کی سیاست کے حوالے سے وہ پیپلزپارٹی اور پی ڈی اے کی سیاست سے متفق ہیں اور آیا وہ خود بھی اس سیاست کا ساتھ دیں گے' انہوں نے کہا کہ پیپلزپارٹی اس وقت ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں بھی پیپلزپارٹی اور آئی جے آئی کے مابین صرف ڈیڑھ فی صد ووٹوں کا فرق تھا اور اب آئی جے آئی کے ختم ہونے کے بعد ووٹوں کے تناسب میں بھی پیپلزپارٹی کو برتری حاصل ہوگئی ہے۔ تاہم استعفے دینے کا فیصلہ پیپلزپارٹی کا اپنا فیصلہ ہے۔ وہ ملک کی ذمہ دار جماعت ہے اس لئے اس نے سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافتِ پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد ۱ شمارہ ۲۸

۳ ر اگست ۱۹۹۲ء

○

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون نمبر: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۰ روپے

○

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت —— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش —— ۱۲ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ —— ۱۷ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا —— ۲۰ ″ ″

افتتاحیہ

روایات اور اداروں کا انہدام

لاہور میں عدالت عالیہ کے فل بینچ نے کوآپریٹو سوسائٹیوں کی طرف سے داد رسی کی درخواست کے جواب میں ایک تاریخی فیصلہ دیا اور حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کردہ کوآپریٹو آرڈیننس کے تحت ۱۰۲ کوآپریٹو سوسائیٹوں کے خلاف اقدام کو غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دیا ہے۔ فاضل عدالت نے بدنام زمانہ کوآپریٹو سکینڈل پر جس میں ہزاروں چھوٹے بڑے کھاتہ دار اپنی جمع پونجی سے محروم ہوگئے، حکومتی کارروائی کو بعد از وقت اور بلا جواز گردانتے ہوئے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ غریب کھاتہ داروں کی بڑی بڑی رقوم ہضم ہوتی رہیں اور ہم یہ نہیں مان سکتے کہ سرکاری اہلکاروں کو علم نہیں تھا کہ ان کی ناک کے نیچے کیا ہو رہا ہے لیکن گورنر سٹیٹ بینک اور رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز نے معاملات پر نظر رکھنے کی زحمت نہیں کی اور یہ کہ کوآپریٹو سوسائٹیاں اور ماضی میں فنانس کمپنیاں غیر قانونی بنکنگ کرتی رہیں جبکہ سٹیٹ بینک خاموش تماشائی بنا رہا۔ عدالت عالیہ نے کہا کہ کوآپریٹو نظام کو ناکارہ کیا جا رہا ہے اور سٹیٹ بینک کا حال بھی اچھا نہیں۔ فاضل عدالت کے بقول "ہم آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ ادارے تباہ کر رہے ہیں"۔

ہمارا المیہ واقعی یہی ہے جس کا مرثیہ ان صفحات میں بارہا پڑھا گیا کہ ہم اپنی اقدار اور روایات کو منہدم کرنے اور اداروں کو تباہ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اداروں کی تخریب کا یہ مسلسل عمل کسی نہ کسی مرحلے میں رک بھی سکتا تھا اور تلافی ء مافات کی بھی کوئی شکل شاید پیدا ہو جاتی بشرطیکہ احتساب اور مسئولیت و جوابدہی کی ہی روائت یہاں مستحکم ہوگئی ہوتی۔ یہ قوم جس سے دنیا کی امامت کا کام لیا جانا تھا، رفتہ رفتہ خود غول بیابانی میں تبدیل ہوگئی تو ہمارے دانشور اس کے اسباب کی تلاش میں دور کی کوڑیاں لاتے ہیں جبکہ سادہ سی حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب سے پیمان وفا باندھنے کے بعد نہ صرف اس کے تقاضوں کو طاقِ نسیاں کے حوالے کردیا بلکہ اب تو ہم علم بغاوت بھی بلند کئے ہوئے ہیں جس کی سزا سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ یہ کہ ہم اپنے اللہ کی طرف رجوع کریں، اپنے ایمان کی تجدید کریں، صدق دل سے توبہ کریں اور اس عہد کو پھر تازہ کریں جو عہد الست کی شکل میں ہر انسان انفرادی طور پر کر کے اس دنیا میں آیا اور بحیثیت قوم ہم نے تحریک آزادی کے دوران میں ایک آزاد وطن عطا کئے جانے کے عوض رب کریم سے کیا تھا۔

معاد ہمارے دین میں ایمان کا جزو اعظم ہے، احتساب و مسئولیت جس کی بنیاد ہے بلکہ دنیا میں بھی احتساب و مسئولیت کا نظام ہی افراد اور اقوام کو جادۂ مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔ وہ قومیں جو زندہ ہیں اور زندہ رہنا چاہتی ہیں، کسی نہ کسی شکل میں اسی نظام کو برقرار رکھنے کا اہتمام کرتی ہیں جسے ہم نے بکھیر کر رکھ دیا ہے اور طرفہ تماشا ہے کہ اس کے باوجود ڈینگیں مارنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ نہ جانے ہم کسے فریب دینے کی فکر میں ہیں، دنیا کو یا اپنے آپ کو! چوری اور سینہ زوری میں یہاں لوگ روز بروز زیادہ جری ہوتے جا رہے ہیں۔ ملک و قوم کے ساتھ کوئی کچھ بھی کر گزرے، نہ صرف اس کی پوچھ گچھ نہیں الٹا وہ قوم پر احسان دھرتا ہے۔ ہماری مختصر تاریخ میں عقوبت کی جو معدودے چند مثالیں پائی بھی جاتی ہیں، وہ احتساب و مسئولیت کا نتیجہ نہیں بلکہ سازشوں کا شاخسانہ ہیں یا پھر کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ صیاد آپ اپنے دام میں آگیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو ہم وہ کچھ کیوں دیکھتے جو آج دیکھنے پر مجبور ہیں۔ قوم دم سادھے دیکھ رہی ہے کہ ہماری سیاسی قیادت کو سندھ کا غم کم اور حکومت سندھ کی فکر زیادہ ہے اور یہ تو سامنے کی ایک بات ہے ورنہ رہنمایان قوم کے وطیرے کا عنوان ہی "اول خویش بعد درویش" ہے۔ ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے! ○○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرۃ

(آیات ۱۱۶۔۱۱۷)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے' اس کی شان ان باتوں سے ارفع ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع فرمان ہیں ○

(یہود و نصاریٰ کے عملی زوال کا ذکر پچھلی آیت میں تھا کہ دین حق کے یہ ٹھیکیدار جو آج اسلام دشمنی میں متحد نظر آتے ہیں اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں اللہ کے بندوں کو اللہ کے گھروں میں داخل ہونے سے روکتے رہے اور ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو اجاڑتے اور برباد کرتے رہے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ یہی نہیں بلکہ عقیدے کے اعتبار سے بھی یہ لوگ شدید گمراہی کا شکار ہیں۔ یہود کا ایک طبقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتا ہے جبکہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ گویا یہ دونوں گروہ بدترین قسم کے شرک میں ملوث ہیں ----- حالانکہ اللہ کی شان اس سے بہت بلند اور ارفع ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنائے۔ کون ومکان میں کوئی اس کا ہمسر' ہم پلہ' ہم کفو اور مد مقابل نہیں' زمین و آسمان کی ہر شے اسی کی ملکیت اور اسی کے تابع فرمان ہے!)

وہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب وہ فیصلہ کرلیتا ہے کسی امر کا تو بس اس کے لئے فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ○

(کہ وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو عدم سے وجود بخشا اور اس کون ومکان کا کل اختیار اور اقتدار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پوری کائنات میں اسی کا حکم جاری و ساری اور اسی کا فیصلہ نافذالعمل ہے۔ وہ اپنے فیصلے کی تنفیذ کے لئے کسی معاون یا شریک کا محتاج نہیں' اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے محض یہ کہنے سے کہ ہوجا' وہ کام ہو جاتا ہے۔ ایسی بے نیاز و مستغنی اور قادر مطلق ذات کے ساتھ یہ تصور وابستہ کرنا کہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنایا ہے' پرلے درجے کی کج فہمی اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے!)

جوامع الکلم

دوزخ کو محجوب کردیا گیا ہے مرغوب چیزوں کے ساتھ' اور جنت کو محجوب کردیا گیا ہے ناگوار اور مشکل چیزوں کے ساتھ!

(کہ جہنم کو ان چیزوں کے ساتھ مستور اور ملفوف کیا گیا ہے کہ جو نفس انسانی کو بہت مرغوب ہیں۔ شہوات و لذات دنیوی کی کشش انسان کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور انسان اگر خود کو نہ سنبھالے اور نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام نہ دے تو بے اختیار ان چیزوں کی جانب کھنچا چلا جاتا اور جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جنت کے راستے میں بڑے پر مشقت اور پر صعوبت مراحل حائل ہیں۔ جنت کے حصول کے لئے نفس پر جبر کرنا اور اسے احکام الٰہی کا خوگر اور پابند بنانا پڑتا ہے' بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ امتحانات اور آزمائشوں کی کٹھن وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ انسان کا عزم اگر صادق اور نیت خالص ہو تو اللہ اسکی دستگیری فرماتا ہے اور درجہ بدرجہ امتحانات میں سے کامیابی کے ساتھ گزار کر انسان کو اسکی منزل مراد تک پہنچا دیتا ہے۔

اللھم ربنا اجعلنا منھم)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ")

> زیر زمین ایم کیو ایم زیادہ خطرناک ہوگی، فوج سے تصادم کی صورت میں وہاں سندھ بلوچستان کا نہیں، مشرقی پاکستان کا سا منظر ہوگا جہاں فوج کو اپنی آبادی سے لڑنا پڑا تھا۔

نئے بلدیاتی اور صوبائی انتخابات وقت کی اہم ضرورت ہیں۔

کراچی میں الطاف کا سحر قائم ہے!

پاک فوج کو سندھ میں پھنسنے کی بجائے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے

عبدالکریم عابد

"ایم کیو ایم" نے ایک زیر زمین تنظیم کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس تنظیم کا اس حیثیت سے ارتقاء پاکستانی سیاست کے لئے سخت خطرہ کی بات ہے کیونکہ پاکستان میں قبل ازیں جو بھی زیر زمین تنظیمیں رہی ہیں ان کی سیاسی حیثیت کچھ بھی نہیں تھی۔ مثلاً کمیونسٹ پارٹی کا وجود برائے نام تھا۔ جام ساقی، نازش امروہی یا اس طرح کے دوسرے لوگ جو کمیونسٹ پارٹی چلاتے رہے، وہ ایک مذاق تھی۔ اس کی سنجیدہ حیثیت کبھی نہیں رہی۔ جئے سندھ ایک طرح کی ہلڑ بازی رہی ہے۔ اس نے سندھی قوم پرستی کے خیالات کو پھیلانے کے لئے کردار ضرور ادا کیا لیکن یہ گروہ کسی طرح کی مضبوط تنظیم کبھی نہیں تھا اور بہت جلد مختلف دھڑوں میں منقسم ہوگیا۔ اگر اس کی واقعی کوئی تنظیم ہوتی تو پیپلزپارٹی کا انتخابی مقابلہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتی لیکن چند ہلڑ باز عناصر جمع ہوگئے تھے، ان میں بھارت کے ایجنٹ بھی موقع پاکر شامل ہوگئے اور ہماری سرکاری انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بھی اس گروہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ عام سندھی گو جی ایم سید کا احترام کرتا ہے، سندھی قوم پرستی سے متاثر بھی ہے لیکن وہ غیر قانونی اور متشددانہ سرگرمیوں کے حق میں کبھی نہیں رہا اور حمیدہ کھوڑو، قادر مگسی یا اس طرح کے لوگوں کی بجائے محترمہ بے نظیر کو ہی سندھ کے عوام اپنا لیڈر سمجھتے رہے ہیں۔

جئے سندھ کی اگر کچھ زیر زمین سرگرمیاں رہی ہیں تو یہ چند افراد یا چند ٹولیوں کی سرگرمیاں تھیں۔ اس کے پیچھے کوئی عوامی حمایت یا تحریک نہیں تھی۔ یہی حال "الذوالفقار" کا رہا۔ اس زیر زمین تنظیم کا بھی زیادہ تر وجود پاکستان سے باہر کے ملکوں میں رہا۔ پاکستان کے اندر اس تنظیم کے تخریب کاروں کی تعداد سینکڑوں میں ہرگز نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ سو پچاس غیر ملکی ایجنٹ تھے جو افغانستان اور ہندوستان سے روپیہ لے کر کچھ کارروائیاں کرتے تھے یا پھر سرکاری انٹیلی جینس کے اپنے آلہ کار افراد تھے جو "الذوالفقار" کی "مشہوری" کے لئے کام کرتے رہے، پیپلزپارٹی کے عام حامی کارکن اور ووٹر نے بھٹو کے صاحبزادگان کو کبھی کسی لائق نہیں سمجھا وہ صرف بیگم نصرت اور بے نظیر کو چاہتے تھے اور اس میں بھی آخر میں اب صرف بے نظیر رہ گئی ہیں جن کو پیپلزپارٹی والے اہمیت دیتے ہیں اور بے نظیر کے متعلق انہیں یقین ہے کہ ان کی سیاست تشدد اور تخریب سے پاک ہے۔

زیر زمین تخریبی کارروائیاں کرنے والوں کا ایک گروہ ان پختون قوم پرستوں کا تھا جن کی جائے پناہ افغانستان رہی ہے۔ ان قوم پرستوں کے کچھ کارکنوں کو آلہ کار بنا کر افغانستان ابتدا ہی سے ہمارے ملک میں بم دھماکے کراتا رہا اور افغان جہاد کے دوران ان افغانی تخریبی ایجنٹوں اور ان کی کارروائیوں میں شدت آگئی تھی لیکن یہ بھی کوئی تنظیم نہیں تھی، چند ایجنٹ تھے۔ لیبیا نے بھی اس طرح کے ایجنٹوں کے ذریعہ وارداتیں کرائی ہیں مگر تشدد اور تخریب کے اس سارے کاروبار میں عوام کی شراکت کبھی نہیں رہی۔ شراکت تو بڑی بات ہے، عوام کی ان کے ساتھ ہمدردیاں بھی نہیں رہی ہیں لیکن ایم کیو ایم زیر زمین تنظیم کی حیثیت سے ارتقاء کرتی ہے تو صورت حال مختلف ہوگی۔ اس میں گنتی کے چند ایجنٹ لوگ نہیں ہونگے اور نہ معدودے چند گمراہ نوجوان ہونگے جو غم و غصہ کی

حالت میں تخریب و تشدد کے ذریعے اپنے جذبات کی آگ سرد کریں۔ اس کی بجائے یہ ایک نہایت وسیع طاقتور اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنے والی زیر زمین تنظیم ہوگی جس کے پاس نہ کارکنوں کی کمی ہوگی نہ عوام کی ہمدردیوں کی۔

جن لوگوں کے سامنے مہاجروں کی پرانی نسل ہے انہیں یہ اندازہ ہی نہیں ہے کہ نئی نسل کیا ہے۔ اس نئی نسل میں ایسے نوجوانوں کی بہتات ہے جو سمجھتے ہیں کہ اسلام اور نظریہ پاکستان کی بنیاد پر سوچنا ہی فضول ہے۔ اس کے ان احساسات نے ہی ایم کیو ایم کو متشکل کیا تھا۔ یہ نوجوان ابتدا سے تشدد کی سیاست سے آشنا رہے ہیں اور اس کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ تعلیمی اداروں میں انہوں نے یہ تشدد دیکھا' پھر سڑکوں گلیوں میں اس کا نظارہ کیا۔ ان مہاجروں میں بہاری ہیں جو سخت غضبناک رہتے ہیں۔ بم بنانے کے کاروبار کا انہیں مشرقی پاکستان میں ہی پتہ چل گیا تھا۔اور بہاریوں کی پاکستانیت کا حشر دیکھ کر بھی مہاجر نوجوانوں نے اس کا گہرا تاثر قبول کیا۔

سندھ میں جو نوجوان رہتے ہیں انہیں تعلیمی اداروں میں قدم رکھتے ہی جئے سندھ کی تشدد آمیزی سے سابقہ پیش آتا تھا۔ اس نے نہ صرف ان کی نفسیات بلکہ نظریات تک میں انقلاب پیدا کردیا۔ کراچی کے مقابلہ میں حیدر آباد اور سکھر وغیرہ کے مہاجر نوجوان اپنی انتہا پسندی میں کراچی کے نوجوانوں سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ کراچی میں بھی جب مہاجر نوجوانوں نے آنکھ کھولی تو ان کے سامنے ہر شعبہ میں مافیا تھے جو اندھی طاقت کا استعمال کرتے تھے۔ دیگنوں میں کوئی مسافران کی ست روی یا تیز رفتاری پر اعتراض کرتا تو ڈرائیور کنڈیکٹران کی بری گت بناتے تھے' باقی لوگ بے ی سے ایک شریف آدمی کو پٹتے دیکھتے اور دل سوس کر رہ جاتے تھے۔ یہ گاڑیاں زیادہ تر پولیس الوں کی ہوتی تھیں۔ انہیں ان کے مالکوں نے کہہ رکھا تھا کہ کسی بات سے نہ گھبراؤ' ٹریفک ادثہ میں کسی کی جان جائے یا لڑائی جھگڑے میں قتل ہوجائے تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ ہم تمہاری پشت پر ہیں۔

ایوب خاں کے زمانے میں فاطمہ جناح کی حمایت پر ان کے پٹھان آلہ کاروں نے مہاجر بستیوں پر قیامت ڈھا دی تھی۔ ان مناظر کو چھوٹے چھوٹے بچوں نے دیکھا تھا اور اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ کراچی پولیس مستقلاً" نفرت پیدا کرنے کی مشینری کے طور پر کام کرتی رہی۔ اس سونے پر سہاگہ ایم کیو ایم اور الطاف حسین کی تحریک تھی جس نے شروع ہی سے یہ درس دیا کہ ٹی وی بیچ کر کلاشنکوف خرید لو۔

فوجی آپریشن کے بعد نظریہ آتا تھا کہ ایم کیو ایم رسوا ہوگئی ہے اور کراچی کے مہاجروں پر اس کا اثر ختم ہوگیا ہے لیکن یہ ایک سطحی تاثر تھا۔ ابتدا میں لوگ کچھ متاثر ضرور ہوئے مگر پھر یہ خیال ہوگیا کہ فوج ایم کیو ایم کے خلاف کارروائی کررہی ہے اور یہ مہاجروں کو کچلنے کے لئے سازش ہے۔ اس تاثر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپریشن کے ذمہ دار اصحاب نے ایم کیو ایم کے خلاف پروپیگنڈہ کا مصالحہ ضرورت سے زیادہ استعمال کر لیا۔ معاملہ جس قدر تھا' اتنا ہی رہنے دیا جاتا اور بیان کیا جاتا تو شاید اس کے اچھے نتائج نکل سکتے تھے لیکن مبالغہ آرائی کا طوفان کھڑا کیا گیا اور اس کے لئے آفاق و عامر گروپ کی خدمات ذرائع ابلاغ کے سپرد کی گئیں۔

آفاق اور عامر کا اثر لانڈھی اور لائینز ایریا میں رہا ہے۔ اس سے باہر کراچی کے بقیہ مہاجر علاقوں میں الطاف کے بت کی پوجا ہوتی رہی۔ کم سن لڑکوں کے لئے اس نے کلاشنکوف کو بچوں کا کھیل بنا دیا تھا جس میں وہ مگن تھے اور اس سے اپنے آپ میں نئی طاقت کا احساس کررہے تھے۔ ان علاقوں میں فوجی آپریشن کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا گیا' اس پر غصے کا اظہار کیا گیا۔ فوج کو سکوٹروں کی چیکنگ کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ہر آنے جانے والے سے کاغذات طلب کرتی ہے۔ آہنی گیٹ مسمار کئے گئے' اس کا بھی لوگوں نے برا مانا کہ یہ گیٹ جرائم پیشہ افراد سے تحفظ کا ذریعہ بھی تھے۔ یہ بھی لوگ دیکھ رہے تھے کہ ایم کیو ایم کے خلاف کارروائی کی گئی مگر بڑے سندھی وڈیرے اور لیڈر آرام سے بیٹھے ہیں۔ مروت برادرز کے لئے معافی ہے اور صرف ایم کیو ایم کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور روزانہ نئی سے نئی مگر جھوٹی داستان طرازی ہوتی ہے۔ یہ مہاجر علاقوں کا عام تاثر ہے۔

اس تاثر اور اس پس منظر میں اگر ایم کیو ایم ایک زیر زمین تنظیم بن جاتی ہے تو یہ وہ چند قبائلی نہیں ہونگے جو غصے میں آکر پہاڑ پر چلے گئے یا افغانستان منتقل ہوگئے نہ یہ جئے سندھ کی طرح محدود تخریبی کارروائیوں کو دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے کافی سمجھیں گے۔ اس کے برعکس زیر زمین تنظیم ایک وسیع شہری عوامی بغاوت کو منظم کرسکتی ہے جس کا فوج سے ٹکراؤ ہوگا تو کراچی حیدر آباد' مشرقی پاکستان کا منظر پیش کریں گے اور فوج کے لئے کوئی اچھی صورت حال نہیں ہوگی۔ ہمارے دشمن بھی یہی چاہتے ہیں کہ فوج اور مہاجر عوام کا ٹکراؤ ہو۔ اس ٹکراؤ کے بعد ہی پاکستان کی رگ معیشت کراچی کو معطل اور ماؤف کیا جاسکتا ہے۔

کمیونسٹوں یا سندھی' بلوچ' پختون قوم پرستوں کی جانب سے فوج کی مخالفت بے اثر رہی ہے لیکن ایم کیو ایم اور فوج کی جنگ ایک نیا معرکہ ہوگا جس میں فوج بری طرح پھنس سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فوج سے تصادم میں خود مہاجر طبقہ کو بڑا نقصان پہنچے گا' کراچی شہر کی کافی بربادی ہوگی لیکن جب اندھی لڑائی چلتی ہے تو نفع نقصان کا حساب کوئی نہیں لگاتا اور ہونی ہو کر رہتی ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایم کیو ایم والے خود بھی' فوج بھی اور ارباب اقتدار بھی تحمل کا مظاہرہ کریں۔ اور محسوس کریں کہ ایم کیو ایم کا زیر زمین چلے جانا پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک نیا المناک باب ہوگا۔

فوج کے ذمہ دار حضرات نے بھی اس بات کو محسوس کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ ہمیں چار پانچ لیڈروں کے علاوہ ایم کیو ایم کے باقی لیڈروں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ پبلک پلیٹ فارم پر آکر اپنی سیاست کرسکتے ہیں لیکن ایک تو ایم کیو ایم کا اپنا مزاج ایسا ہے کہ ہر وقت خوف و دہشت کی حالت میں رہتے ہیں' ان پر ایک غیر طبعی نفسیات خوف مسلط رہتی ہے اور پھر انہیں یہ اطمینان نہیں ہے کہ پبلک پلیٹ فارم سے عوامی سیاست کے لئے وہ آزاد ہونگے اور ان کے خلاف آفاق عامر عنصر کو استعمال نہیں کیا جائے گا یا خود حکومتی مشینری ان کا تیاپانچہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ ایم کیو ایم کے حلقوں میں حکومت کے تعلق سے مکمل عدم اعتماد پایا جاتا ہے۔ اس عدم اعتماد کا دور ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے خصوصاً" اور کم از کم سندھ میں عموماً نئے سرے سے ابتدا کرنی ہوگی۔ اگر گورنر راج لگا دیا جاتا ہے اور فوجی آپریشن کو لانبا نہیں کیا جاتا بلکہ جھٹ پٹ ختم

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

انقلابی عمل کا آغاز ایک جاندار نظریئے کی نشر و اشاعت سے ہوتا ہے

اسلامی انقلاب اور اجتماعی عدل کی فکری اساس... توحید

عقیدۂ توحید کے انقلاب آفرین مضمرات

ڈاکٹر اسرار احمد

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

اجتماعی نظام خواہ کوئی بھی ہو کسی نہ کسی فکری اساس پر قائم ہوتا ہے' اور اس کی بنیاد میں کائنات اور انسان کے بارے میں کوئی نہ کوئی فلسفیانہ تصور کار فرما ہوتا ہے۔ ادھر' اس عام غلط فہمی کے برعکس کہ "انقلاب" صرف تخریب اور توڑ پھوڑ کا نام ہے' حقیقت میں انقلاب سے مقصود موجود الوقت اجتماعی نظام کو کسی بہتر اور متبادل نظام سے بدلنا ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ متبادل نظام بھی لا محالہ کسی نظام فکر ہی کی اساس پر استوار ہو سکتا ہے' لہٰذا ہر انقلابی عمل کے لئے پہلی شرط لازم یہ ہے کہ کوئی انقلابی نظریہ ہو جو پیش نظر اجتماعی نظام کے ہیولے کے علاوہ ماہیت کائنات و انسان اور حقیقت حیات و ممات سے متعلق جملہ مابعد الطبیعیاتی مسائل' اور خیر و شر' اور حق و باطل سے متعلق جملہ معیارات کے ضمن میں مکمل اور مربوط تصورات پر مشتمل ہو۔ چنانچہ ایسے کسی نظریئے کی نشر و اشاعت ہی سے انقلابی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔

اس انقلابی نظریئے کے مؤثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ چند شرطیں پوری کرے اور چند معیارات پر پورا اترے' جو درج ذیل ہیں:-

۱) اولین اور اہم ترین یہ کہ وہ صرف "مذہبی" عقائد کے قبیل کی چیز نہ ہو' اور اسی طرح محض اخلاقی وعظ و نصیحت اور روحانی ارشاد و تلقین پر مشتمل نہ بلکہ ایک تیز دھار آلے کے مانند موجود الوقت اجتماعی نظام کے کم از کم کسی اہم گوشے کی جڑوں کو ضرور کاٹتا ہو۔ بصورت دیگر صرف پند و نصائح کا نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ حاضر اور موجود اجتماعی نظام کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اسے کچھ نیک' شریف' صالح' محنتی' قابل اعتماد' اور ہر اعتبار سے "بے ضرر" کارکن مہیا ہو جائیں گے! اس سے معلوم ہوا کہ اگر اجتماعی نظام منصفانہ اور عادلانہ ہو تو اس صورت میں تو "کرنے کے اصل کام" واقعی یہی ہیں کہ لوگوں میں صرف خدا ترسی اور دیانتداری کے اوصاف پیدا کئے جائیں تاکہ وہ عادلانہ اور منصفانہ نظام مضبوط اور پائدار ہو سکے اور اسے بہترین کارکن مہیا ہو سکیں۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ "مذہبی" ---- اور "اصلاحی" کام جبر و ظلم اور استبداد اور استحصال کی تقویت کا ذریعہ بن جاتے ہیں! اور چونکہ انقلاب کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہی ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے نزدیک موجود الوقت نظام ظلم اور استحصال پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ وہ کوئی ایسا متبادل نظام فکر پیش کریں جو حقیقت کائنات و انسان' اور ماہیت خیر و شر کے ضمن میں انسان کی علمی پیاس کے لئے تسکین فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ وقت کے ظالمانہ اور استحصالی نظام کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے!۔

۲) یہ انقلابی فکر یا تو بالکل نیا ہونا چاہیے تاکہ لوگ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوں اور اس پر سابق تصورات سے ذہناً" منقطع ہو کر غور کر سکیں' یا اگر وہ کسی قدیم نظریئے پر مبنی ہو تو لازم ہے کہ اس کی ایسی جدید تعبیر پیش کی جائے جو وقت کی ذہنی اور علمی سطح' اور مروجہ اصطلاحات اور عام محاورے کے مطابق ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کے ذہنوں تک "ابلاغ" کا حق ادا کیا جا سکے۔

مزید برآں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ' کوئی قدیم نظریہ خواہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے کتنا ہی "انقلابی" کیوں نہ ہو' جب ایک طویل عرصے تک کسی ظالمانہ اور استحصالی نظام کی ماتحتی پر مجبور رہتا ہے تو----- "کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!" اور " خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں!" کے مصداق اس کی بنیادی اصطلاحات کے مفہوم بدل جاتے ہیں۔ جس سے اس کے اصل تصورات پر پردے پڑ جاتے ہیں (یہی حقیقت کبریٰ ہے جس کی جانب اشارہ کیا تھا علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں جب انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست قائم ہو جائے تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے " عرب ملوکیت" کے دور میں پڑ گئے تھے' انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل روئے انور دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!) ان حالات میں اگر ابلاغ عامہ کے لئے ان ہی اصطلاحات کو ذریعہ بنایا جائے جن کے مفہوم بدل چکے ہوں' اور وہی اسالیب اور انداز اختیار کئے جائیں جو دور غلامی میں پروان چڑھے ہوں تو انقلابی عمل کے آغاز کی شرط اول بھی پوری نہیں کی جا سکتی اور روائتی انداز میں پوری محنت اور مشقت کے باوجود پنجابی استعارے: " کہ تونبا وجدا نیں!" والی کیفیت برقرار رہتی ہے اور قدم آگے نہیں بڑھتے۔ بنا بریں لازم ہے کہ انقلابی نظریہ اگر قدیم ہو تو اس کی جدید تعبیر پیش کی جائے۔ (اس معاملے میں بھی علامہ اقبال ہی کا حوالہ دئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اسی ضرورت کے تحت علامہ مرحوم نے "اسلام میں الٰہیات جدیدہ کی تشکیل" کو اپنے مشہور خطبات کا موضوع بنایا

تھا۔)

۳) ہر انقلابی نظریئے کو ' خواہ وہ نیا ہو ' خواہ کسی قدیم نظریئے کی تعبیر جدید پر مشتمل ہو ' دو بظاہر "متضاد" تقاضوں کو لازماً پورا کرنا پڑتا ہے ۔ یعنی ایک یہ کہ وہ عصری علوم کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ فکر اور فلسفہ کی سطح پر اتنا قوی اور مستحکم ' اور مدلل و مبرہن ہو کہ وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر اپنا لوہا منوا سکے ۔ اور سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات اور ذہین عناصر میں اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک مضبوط حصار یا مرکز (نیوکلیس) بنا سکے ' اور دوسری جانب اس کی اپیل اتنی موثر اور عام فہم ہو کہ عوام الناس کے دلوں میں گھر کر سکے۔

یہ بات بظاہر مشکل بلکہ محال نظر آتی ہے ' لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے ۔ اس لئے کہ ' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ' ہر انقلابی نظریئے کے دو پہلو ہوتے ہیں : ایک مابعد الطبیعیاتی اور دوسرا عمرانی ' اور ان کے مابین ایک منطقی اور عقلی ربط موجود ہوتا ہے (یا ہونا چاہیے!) لہٰذا مابعد الطبیعیاتی سطح پر یہ نظریہ معاشرہ کے ذہین ترین لوگوں کے لئے قابل قبول ہونا چاہیے اور عمرانی سطح پر اس کی اپیل عام ہونی چاہیے ! اور ان دونوں بظاہر "متضاد" تقاضوں کے پورے ہونے ہی پر انقلابی عمل کے آگے بڑھنے کا دارو مدار ہوتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی از خود واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے باوجود کہ انقلاب کا اصل مقصد عوام کی فلاح اور بہبود ہوتا ہے ' کسی مثبت اور حقیقی انقلابی عمل میں اولاً خطاب سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات سے کیا جاتا ہے ' عوام سے نہیں! جبکہ اس کے برعکس کسی سیاسی مہم یا شورش میں سارا خطاب عوام سے ہوتا ہے اور ان کے بھی صرف "جذبات" کو بھڑکایا جاتا ہے تاکہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔(اور اسی طرح خالص مذہبی تبلیغی مشن میں بھی ساری توجہ معاشرہ کے پست اور گرے پڑے طبقات پر صرف کی جاتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ "تعداد" میں لوگوں کے نام بدل کر اپنی کارگذاری کی شاندار رپورٹیں مرتب کی جائیں اور اس طرح کثیر مصارف اور بھاری "میزانیوں" یعنی بجٹ کا جواز فراہم کیا جا سکے)

۴) آخری اور چوتھی شرط ' جو از خود ظاہر و باہر ہے ' یہ کہ انقلابی نظریئے کی نشر و اشاعت تمام دستیاب ذرائع ابلاغ کو امکانی حد تک بروئے کار لا کر زیادہ سے زیادہ شد و مد کے ساتھ اور وسیع سے وسیع تر حلقے میں ہونی ضروری ہے ۔ اس لئے کہ جتنے وسیع حلقے تک ابلاغ کا حق ادا ہو گا اتنی ہی زیادہ تعداد میں پیش نظر انقلاب کے لئے کارکنوں اور "فدائیوں" کی فراہمی متوقع ہو گی۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ کسی معاشرے میں جو سماجی ' اقتصادی ' اور سیاسی نظام (پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم) قائم ہوتا ہے ' حکومت وقت اس کی محافظ ہوتی ہے اور نہ صرف یہ کہ نظام کو جوں کا توں قائم رکھنے یعنی "سٹیٹس کوؤ" برقرار رکھنے کے لئے اس ساری قوت کو بروئے کار لاتی ہے جو فوج ' پولیس ' اور دیگر "قانون نافذ کرنے والے اداروں" کی صورت میں اسے حاصل ہوتی ہے ' بلکہ وہ تمام ذرائع تعلیم و ابلاغ جو اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتے ہیں ان کے ذریعے اس نظام کے فلسفیانہ اور اخلاقی جواز کا بھرپور پروپیگنڈا بھی کرتی ہے ---- اب اگر اس کے مقابلے میں انقلابی قوتیں کم از کم " تو ڈال ڈال میں پات پات " کے درجہ میں بھی تمام ممکن الحصول ذرائع ابلاغ کو استعمال نہ کریں تو انقلاب کا برپا ہونا محال ہو گا!

اس تمہید کے بعد جب ہم اسلامی انقلاب کے اساسی فکر یا بنیادی انقلابی نظریئے پر غور کرتے ہیں تو وہ صرف ایک لفظ یعنی "توحید" میں مضمر نظر آتا ہے ۔ جو بیک وقت ایک عقیدہ بھی ہے اور فلسفہ بھی ' اور ان دونوں حیثیتوں سے آگے بڑھ کر ایک ایسا عمرانی نظریہ بھی جو اجتماعیات انسانیہ کے تینوں گوشوں یعنی سماجی اور معاشرتی ' معاشی اور اقتصادی ' اور سیاسی و ریاستی تینوں سطحوں پر عدل و قسط کی محکم اساس فراہم کرتا ہے ----- یہ دوسری بات ہے کہ صدیوں کے زوال اور انحطاط کے باعث وہ یا تو ایک ایسا "عقیدہ" بن کر رہ گیا ہے جو صرف مذہبی تفرقہ کا موضوع ہے ' یا "ربط حادث بالقدیم" ایسے دقیق فلسفیانہ اور لایحل مسائل اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے متکلمانہ مباحث کا عنوان بن کر رہ گیا ہے جس کی بنا پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود ' جبر و قدر ' اور "ہیں صفات ذات حق ' حق سے جدا ' یا عین ذات؟" ایسے لایعنی مباحث پیدا ہوئے جن کا حاصل کچھ نہیں ---- چنانچہ اسی صورت حال کی بہترین تعبیر کی ہے علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کہ ۔ " زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی۔ اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام!"

توحید کی "زندہ قوت" کے اصل مظاہر ' ان لاحاصل مباحث کے برعکس جن کا ذکر اوپر ہوا ' دو سطحوں پر نمایاں ہوتے ہیں یعنی :

(۱) انفرادی سطح پر بندۂ مومن اور "مرد حق" کی شخصیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کے ضمن میں ' جہاں حقیقی ایمان باللہ اور توحید پر واقعی یقین کے نتیجے میں منفی اعتبار سے خوف اور حزن سے نجات حاصل ہوتی ہے ' اور مثبت اعتبار سے بندہ اور رب کے مابین صدق و صفا ' تسلیم و رضا ' صبر و توکل ' اور تقویٰ و احسان کے اوصاف عالیہ پر مبنی باہمی اخلاص و اعتماد اور محبت و ولایت کا رشتہ قائم ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بندہ مومن "اللہ کا ہاتھ" اور "دست قضا کی شمشیر" کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ اور

(۲) اجتماعی سطح پر ' جہاں توحید ہی کی تین "فروع" (شاخیں) سماجی ' اقتصادی اور سیاسی سطح پر عدل اجتماعی کے لئے محکم فکری اساس فراہم کرتی ہیں ' جن کی کسی قدر تفصیل ذیل میں درج ہے :

(i) سماجی اور معاشرتی سطح پر اس امر واقعی پر ایمان اور یقین کہ "تمام انسان ایک ہی اللہ کی مخلوق ہیں !" کامل انسانی مساوات ' اور شرف انسانیت میں پوری نوع انسانی کی بلالحاظ رنگ و نسل ' زبان و وطن ' عقیدہ و خیال ' اور پیشہ و جنس مساوی شرکت کی ضمانت دیتا ہے۔ اور انسانوں کے مابین پیدائشی اونچ نیچ کے فرق ' اور اعلیٰ و ادنیٰ ' شریف و رذیل ' اور برتر و کمتر کے جملہ امتیازات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے!(واضح رہے کہ عورتوں پر مردوں کی "قوامیت" بھی صرف شوہر اور بیوی ہونے کے ناتے ' خاندان کے ادارے کو منظم اور مستحکم کرنے کے پہلو سے ہے ' اس بنا پر ہرگز نہیں کہ عورتیں شرف انسانیت کے اعتبار سے مردوں سے کم تر ہیں!)

اس ضمن میں یہ بات تو بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں ظلم اور ناانصافی کی اس سے زیادہ مکروہ اور گھناؤنی صورت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ کسی انسان کو پیدائشی طور پر نیچ اور گھٹیا قرار دیدیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا جائے کہ تمہارے لئے اس پستی سے نجات اور کسی بلند مرتبہ و مقام کا حصول کم از کم موجودہ

عرصہ حیات میں تو ممکن ہی نہیں خواہ تم کتنی ہی محنت اور کوشش کیوں نہ کرلو!---- لیکن اس حقیقت کا احساس و ادراک کم ہی ہوتا ہے کہ اس "امتیاز رنگ و خون" کا خاتمہ کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے! اس لئے کہ پوری انسانی تاریخ گواہ ہے کہ یہ بات کہ "تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں" بیان کرنے میں جتنی سہل ' اور عقل و فطرت کے نزدیک جتنی بدیہی اور مسلم نظر آتی ہے ' واقعی اعتبار سے اتنی ہی "ناقابل قبول" اور مشکل الحصول ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ عہد حاضر کی تمام تر علمی و ذہنی ترقی کے باوجود ' دنیا کی "عظیم ترین جمہوریت" یعنی بھارت کا تو ذکر ہی کیا' کہ وہاں کی تو عظیم اکثریت کے نزدیک انسانوں کے مابین پیدائشی اونچ نیچ کی تقسیم مذہبی اور سماجی تصورات کا جزولاینفک ہے ' لہٰذا آئے دن اعلیٰ اور ادنیٰ ذات کے ہندوؤں کے مابین خونریز فسادات ہوتے رہتے ہیں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کی پوری پوری بستیاں جلا کر رکھ کردی جاتی ہیں ' امریکہ کے حالیہ فسادات نے تو دنیا کی مہذب ترین اور متمدن ترین قوم کی دو سو سالہ مساعی اور بلند بانگ دعاوی کا پول بھی کھول کر رکھ دیا ہے ' اور ثابت کردیا ہے کہ صرف چمڑی کی رنگت کی بنا پر انسانوں کے مابین ناقابل عبور فاصلے حائل ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں ' جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے ' ایچ جی ویلز جیسے شاتم رسولؐ اور دشمن اسلام کو بھی بالکل گھٹنے ٹیکنے کے انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو "سلام" کرنا پڑا۔ اور یہ ماننا پڑا کہ "انسانی حریت ' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے ' چنانچہ مسیح ناصریؑ کے یہاں بھی ایسے وعظ بکثرت مل جاتے ہیں ' لیکن اس حقیقت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر عملی اور واقعی طور پر مبنی معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محیر العقول کارنامے کی اصل اساس تو عقیدہ توحید کی فرع لازم یعنی "وحدت خالق" ہے۔ یعنی جب تمام انسانوں کا خالق ایک ہی ہے تو سب کا درجہ بھی مساوی ہے ' لیکن اس "مساوات" میں "اخوت" کی چاشنی شامل کی ہے اور محبت کا رس گھول دیا ہے ' قرآن حکیم نے اس امر واقعی کے بار بار اعلان سے کہ پوری نوع انسانی ایک ہی جد امجد یعنی حضرات آدمؑ کی اولاد ہے اور واقعہ یہ ہے کہ توحید خالق کے ساتھ وحدت آدم کا یہ اضافی تصور نوع انسانی کے مابین جملہ نسلی اور پیدائشی امتیازات کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے ------ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سورۃ النساء کی پہلی آیت میں بھی نہایت پر شکوہ انداز میں فرمایا: "اے لوگو! اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے تخلیق فرمایا اور اسی (کی نوع) سے اس کا جوڑا تخلیق کیا' اور پھر ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو (زمین میں) پھیلا دیا!" ---- اور اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن انداز میں فرمایا سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۳ میں کہ :" اے انسانو! ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا (صرف) ایک مرد اور ایک عورت سے اور پھر تقسیم کردیا تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (لیکن) یقین رکھو کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے بڑھ کر خدا ترس ہے!" --- چنانچہ اسی وحدت خالق اور وحدت آدم کے عملی نتیجے کو بیان فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر انداز میں تو اپنے اس حکیمانہ فرمان میں کہ :" لوگو! سب اللہ کے بندے ' اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ!" اور تفصیلی انداز میں اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے ان شہرہ آفاق فرمودات میں جن کا لفظ بلفظ حوالہ دیا ہے خود ایچ جی ویلز نے!! --- حاصل کلام یہ کہ یہی تعلیمات ہیں جو اہل ایمان کی رگ و پے میں سرایت کرجاتی ہیں تو وہ کیفیت لازماً پیدا ہوجاتی ہے جس کا نقشہ کھینچا ہے علامہ اقبال نے اپنے ان الفاظ میں کہ ۔ " ناشکیب امتیازات آمدہ۔ در نماز او مساوات آمدہ!"---- ورنہ واقعہ یہ ہے کہ "ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا!" کے مصداق نسلی اور پیدائشی برتری کے احساس کے خناس کو انسان کے ذہن و قلب سے نکالنا آسان کام نہیں ہے! اور حضرت اکبر کے اس ظریفانہ لیکن نہایت عارفانہ شعر کے مطابق کہ ۔ " مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل --- بس عشق ہی مٹاتا ہے اس کی کرید کو!" کے مطابق نسلی برتری کا یہ احساس نہ مذہبی ریفارمروں کے مواعظ سے ختم کیا جاسکتا ہے ' نہ "ہیومنزم" ایسے بظاہر نہایت خوشنما لیکن کسی واقعی اور ٹھوس بنیاد سے محروم فلسفوں اور نظریوں سے !اور اس کا حقیقی اور موثر علاج اگر کوئی ہے تو وہ صرف توحید خالق اور وحدت آدم پر گہرے یقین میں مضمر ہے!

(ii) عقیدہ توحید کی دوسری انقلاب آفریں فرع " صرف اللہ کی حاکمیت " کا اصول ہے جس سے انسانی حاکمیت کے جملہ تصورات کی جڑ کٹ جاتی ہے ' اور انسانوں کے مابین "تمیز بندہ و آقا" اور "رشتہ حاکم و محکوم" کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اور ۔" نے کوئی فغفور و خاقاں' نے گدائے رہ نشیں !" کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

اگرچہ نظری اعتبار سے یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ سیاسی اور قانونی مساوات کی اس مطلوبہ کیفیت کا حصول' اور انسانوں کے مابین بندہ و آقا' اور حاکم و محکوم کے فرق و امتیاز کا خاتمہ " حاکمیت عوام" کے نظریئے کے تحت بھی ممکن ہے ' لیکن عملی اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ آج تک نوع انسانی نے اس "حاکمیت عوام" کے خوشنما اور دلپذیر نعرے کی آڑ میں یا "سرمایہ داروں کی آمریت" کے عذاب کا مزہ چکھا ہے ' یا "پارٹی ڈکٹیٹرشپ" کی لعنت کا! گویا "دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب - تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!" کے مصداق عوامی حاکمیت کے پردے میں کوئی نہ کوئی طبقہ یا ادارہ حاکم بن کر بیٹھ جاتا ہے اور جبر واستبداد کے شجرہ خبیثہ کی جڑ صرف اسی طرح کٹ سکتی ہے کہ انسان کے دماغ سے "حاکمیت" کا خناس بھی بالکل نکال باہر کیا جائے ' اور حاکمیت کو اللہ ہی کے لئے خالص کردیا جائے۔ اس لئے کہ حاکمیت کے ساتھ قانون سازی کا اختیار لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور فروعات اور تفاصیل سے قطع نظر' انسان اگر اپنے لئے بنیادی قوانین بھی خود وضع کرے ' تو خواہ یہ انفرادی سطح پر ہو جیسے ملوکیت میں ہوتا ہے ' خواہ اجتماعی سطح پر جیسے نام نہاد جمہوریت میں ہوتا ہے ' اس میں "جانبداری" لامحالہ پیدا ہوجائے گی۔ اور جس طبقے کو بھی بالفعل بالادستی حاصل ہوگی وہ اپنے مفادات اور مصلحتوں کو لازماً مقدم رکھے گا ۔ چنانچہ اگر ایک حالت میں "انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات!" کا نقشہ نظر آئے گا تو دوسری کیفیت میں " طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی!" کی صورت نظر آئے گی۔ وقس علی ذا لک!---- اور "علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی!" کے مصداق اس کا واحد علاج یہی ہے

کہ توحید کی ضرب ابراہیمیؑ سے انسانی حاکمیت کے اس بت ہی کو پاش پاش کردیا جائے! چنانچہ یہی بات فرمائی قرآن نے بار بار مختلف الفاظ و اسالیب کے ذریعے مثلاً سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا "حاکمیت اللہ کے سوا کسی کے لئے (روا نہیں ہے!" (جس کی بہترین تعبیر علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ۔ "سروری "زیبا" فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے ۔ حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری!") اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں فرمایا:" حکومت میں اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے!" اور سورۂ کہف کی آیت ۲۶ میں فرمایا:" وہ اپنے اختیار حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا!"

انسان سے حاکمیت کی مطلق نفی کا منطقی اور عملی نتیجہ یہ ہے کہ انسان "خلافت الٰہی" اور نیابت حق کے مقام و مرتبہ پر فائز ہے ۔ اور خلافت کے مضمرات اور مقدرات پر چونکہ ان کالموں میں حال ہی میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے (جو یکجا صورت میں ماہنامہ "میثاق" کے جولائی کے شمارے میں بھی شائع ہو چکی ہے) لہٰذا اس موضوع پر اب تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے!

(iii) عقیدہ توحید کی تیسری انقلاب آفریں فرع یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ کی طرح ملکیت تامہ کا حق بھی صرف اللہ کو حاصل ہے اور جس طرح انسان سیاسی اور قانونی سطح پر صرف "خلیفہ" ہے اسی طرح مالی اور اقتصادی سطح پر بھی صرف "امین" ہے جو اپنی زیر تحویل امانتوں میں صرف مالک حقیقی کی منشا اور اجازت کے مطابق "تصرف" کا حق رکھتا ہے! گویا جس حقیقت کبریٰ کو اب سے سینکڑوں برس قبل شیخ سعدیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ ۔ "ایں امانت چند روزہ نزد ماست ۔ در حقیقت مالک ہر شے خداست!" اور جس کی مختصر اور حسین تر تعبیر تو کی ہے علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کہ "بندہ مومن امیں' حق مالک است!" اور واضح تر اور "فاش تر" انداز میں بیان کیا ہے اپنی حیات مستعار کے آخری دور کے ان اشعار میں کہ ۔ "کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف ۔ منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں" اور ۔" اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب۔ بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!" وہ بھی ۔ "یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطہ ایماں کی تفسیریں!" کے مصداق عقیدہ توحید ہی کی ایک فرع ہے جس سے انسان کے طرز فکر اور زاویہ نگاہ میں وہ عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے جو اسلامی انقلاب کی لازمی شرط ہے!

رہا واقعاتی اعتبار سے اس امر کا مختصر جائزہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انقلابی دعوت کو کس ترتیب اور کن طریقوں سے عام کیا' اور آپؐ کی دعوت کا عمومی منہاج کیا تھا' تو اس کے ضمن میں بھی حسب ذیل وضاحتیں ضروری ہیں:

۱۔ آنحضورؐ کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی منہاج مذہبی اور مشنری انداز کا نہیں' بلکہ انقلابی تھا۔ ان دونوں کے مابین فرق و تفاوت عالم نباتات میں درختوں اور بیلوں کے فرق کے حوالے سے باسانی سمجھا جاسکتا ہے ۔ یعنی جس طرح بیل زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے اوپر نہیں اٹھتی' جبکہ درخت سیدھا اوپر کی جانب بڑھتا ہے اور ایک خاص بلندی تک پہنچنے کے بعد اپنی شاخوں اور ڈالیوں کے ذریعے ادھر ادھر پھیل کر زمین پر سایہ فگن ہوتا ہے ۔ اسی طرح مذہبی تبلیغ اور مشنری ورک بھی ابتداء ہی سے اطراف و جوانب میں پھیلاؤ کی کوشش کرتا ہے اور صرف لوگوں کے عقائد اور ذاتی اور انفرادی افعال و اعمال میں تبدیلی لاتا ہے' کبھی "اوپر" کی جانب متوجہ ہو کر رائج و غالب نظام کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جبکہ اس کے برعکس انقلابی دعوت اپنی پوری توجہ ایک مقام یا علاقہ پر مرکوز رکھتی ہے اور اس کا اصل ہدف "اوپر" کا نظام ہوتا ہے ۔ چنانچہ اگر اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ اس خطہ زمین کے نظام اجتماعی کو تبدیل کرنے یا بالفاظ دیگر انقلاب برپا کرنے کے بعد اطراف و جوانب میں "توسیع" کی جانب متوجہ ہوتی ہے' لہٰذا سیرت نبویؐ کا یہ پہلو نہایت قابل توجہ ہے کہ آنحضورؐ نے پورے دس برس تک اپنی دعوت و تبلیغ کو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مرکوز رکھا' اور باہر کا قصد یعنی طائف کا سفر صرف اس وقت کیا جب سن دس نبویؐ میں مکہ کی پارلیمنٹ (دار الندوہ) میں آپؐ کے قتل کا ریزولیوشن پاس ہوگیا۔ اسی طرح اگرچہ مکی دور کے آغاز میں آپؐ کے پاس حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت کی بناء پر وسائل کی کوئی کمی نہ تھی اور آپؐ چاہتے تو جیسے ہی آپؐ نے مکہ میں اعلان نبوت فرمایا تھا ارد گرد کے ملوک و سلاطین کی جانب بھی ایلچی بھیج دیتے اور دعوت نامے ارسال فرمادیتے لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ کام آپؐ نے اس وقت تک کے لئے موخر رکھا جب صلح حدیبیہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اندرون ملک عرب "فتح مبین" عطا فرمادی جو انقلاب کی تکمیل کا پیش خیمہ تھی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم!

۲۔ اسی طرح انقلابی دعوت کی یہ خصوصیت بھی آپؐ کے طرز عمل میں صاف نظر آتی ہے کہ آپ نے خطاب میں اولیت سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات کو دی' چنانچہ سب سے پہلے ایمان لانے والے "سابقون الاولون" میں سے خصوصاً "عشرہ مبشرہ" سب کے سب قریش کے اعلیٰ خاندانوں اور معاشرہ کے بالادست طبقے سے تعلق رکھتے تھے ۔ تاہم یہ حقیقت آپؐ کے سیرت نگاروں کی نگاہوں سے آپؐ کی مکہ کی دس سالہ تبلیغ کے ضمن میں مخفی رہی ہو تب بھی طائف کی تو ایک روزہ تبلیغ نے اسے بالکل روز روشن کی طرح عیاں کردیا کہ آپؐ نے وہاں نہ عوامی تبلیغ فرمائی نہ گلیوں میں "منادی" کی' بلکہ صرف تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کر کے اپنی دعوت پیش فرمائی!

۳۔ رہیں تبلیغ کی عملی اور تفصیلی صورتیں تو ان کے ضمن میں بھی ایک جانب یہ حقیقت ظاہر و باہر ہے کہ آپؐ نے دعوت میں فطری تدریج اختیار فرمائی' چنانچہ پہلے اپنے گھر والوں سے آغاز فرمایا' پھر دعوت و تبلیغ کا دائرہ تدریجاً احباب اور اعزہ و اقارب تک وسیع کیا' اور بالآخر دعوت عام کی صورت اختیار فرمائی' اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ اگرچہ آپ نے اپنی اصل توجہ ذاتی رابطے اور انفرادی ملاقاتوں پر مرکوز رکھی تاہم آپ نے دوسرے تمام ممکنہ طریقوں کو بھی اختیار فرمایا' مثلاً (i) اس حکم ربانی پر کہ " اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو!" (سورۂ شعراء آیت ۲۱۴) آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ دو مرتبہ خاندان بنی ہاشم کو دعوت طعام پر مدعو فرما کر انہیں کھانا کھلانے کے بعد اپنا پیغام پیش فرمایا (ii) اسی طرح اس فرمان الٰہی پر کہ :" جس بات کا تمہیں حکم ہوا ہے اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کرو!" (سورۂ حجر: آیت ۹۴) آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارا اور گویا اپنا پہلا جلسہ عام منعقد فرمایا۔ (iii) اسی طرح گلی کوچوں میں "توحید کی منادی" کی عملی صورت بھی آپؐ نے اختیار فرمائی (iv) اسی طرح ایک بار آپ نے "اجتماعی مظاہرہ" کی صورت بھی اختیار کی' جب اپنے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ایک لطیفہ جو بہت عام ہوا یہ ہے کہ...

تسلیم کیجئے کہ مہاجر بھی "بوتراب" ہیں!

آپریشن 'کلین' نہیں رہا 'ڈرٹی' ہوچکا ہے؟

رحیم کاشفی

سندھ میں مہاجر قومی موومنٹ کو دیوار سے لگادئے جانے کے بعد کراچی میں ' جو کہ ایم کیو ایم کی جنم بھومی بھی ہے اور ہیڈ کوارٹر بھی ' مہاجروں کے عوامی جذبات اس دیگ کی مانند ہیں جس کے نیچے آگ جلا کر اوپر بھاری ڈھکن رکھ دیا گیا ہو۔ سندھ میں آپریشن کلین اپ کے نام پر ایم کیو ایم کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس کا رد عمل نہایت سنجیدہ اور گہرا ہے۔ احساسات کی اسٹیم کو روکے رکھنا کوئی آسان کام نہیں ' دیکھئے اس خفتہ طاقت کا اظہار کس طور اور کب ہوتا ہے۔ فی الحال تو ایم کیو ایم جاگیردارانہ نظام میں منافقانہ سیاست کا زخم چاٹ رہی ہے۔ حالانکہ وہ جاگیرداروں کی براہ راست حریف نہیں تھی بلکہ ایوان حکومت میں تو ان کی حلیف ہی تھی۔ البتہ اس کی ترک تازیاں بالادست طبقات کی آنکھوں میں کھٹکتی ضرور تھیں۔ متوسط طبقہ پر مشتمل اس کی قیادت نے مہاجروں کی بھرپور نمائندگی کی اور اب اس کا اگلا ہدف اندرون ملک وہ قصبات تھے جہاں مہاجرین ایک بڑی تعداد میں آباد ہیں اور ان کی نئی نسل جاگیرداری نظام سے سخت نالاں ہے۔

مہاجروں کے نام پر متعدد جماعتیں سرگرم عمل ہیں لیکن ان میں نہایت موثر ' فعال اور اہم ترین بلکہ جسے ان کی پہچان کہاجائے تو بے جا نہ ہوگا ' یہی ایم کیو ایم ہے ' جس نے چند ہی سالوں میں مہاجروں کی غالب اکثریت کی نہ صرف حمایت حاصل کی بلکہ بلدیاتی اور حکومتی سطح پر ان کی نمائندہ بن کر ابھری۔ متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والی قیادت نے ملکی سیاست میں ہلچل مچادی جو جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ پس منظر کے حامل سیاست دانوں کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے۔ دوسری طرف مہاجر شہروں سے مذہبی سیاسی جماعتوں کو بھی چھٹی مل گئی۔

قوم پرستی کی کوکھ سے ہمیشہ آمریت نے جنم لیا اور اس کے رد عمل نے جمہوریت کی شکل اختیار کی۔ پاکستان میں قوم پرستی کی اعلیٰ مثال مہاجر قومیت کی تخلیق ہے۔ پنجابی ' سندھی ' بلوچی ' پشتون ' پختون ' سرائیکی ' ہزاروی ' گلگتی ' بلتستانی ' چولستانی وغیرہ بہت سی قومیتوں کے برعکس اس میں شدت کا عنصر بوجوہ بہت پایا جاتا ہے۔ سیاست میں تشدد کا رجحان کوئی نیا واقعہ نہیں البتہ اس میں شدت سندھ میں ہونے والے متعدد لسانی فسادات کے بعد پیدا ہوئی۔ کسی بھی تنظیم کا اندرونی اختلاف اگر نزاع کی شکل اختیار کرلے تو اس میں دراڑ پڑ ہی جاتی ہے۔ ایم کیو ایم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ شخصیات کی باہمی آویزش نے ٹکراؤ کو جنم دیا۔ باہمی تصادم ' سیاسی رقابت اور مسلح قوت کے عوامل نے اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا اس پر براہ راست ہاتھ ڈالنا تو اس قدر آسان بھی نہ تھا لیکن آپریشن کلین اپ کے نام پر افواج کی خدمات حاصل کی گئیں اور مخالف دھڑے کو او۔ پی کے فرائض سونپ دئے گئے۔

ڈیڑھ سال قبل بھی دونوں گروہوں میں مسلح تصادم ہوا۔ منحرفین نے جنہیں اب ایم کیو ایم حقیقی سے موسوم کیا جاتا ہے اور عوامی سطح پر "اینٹی" کے نام سے مشہور ہیں' یہ عرصہ "جلاوطنی" میں گزارا۔ ان کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو ٹارچر کیا گیا ہے۔ اب جون میں اس گروپ نے ایک حکمت عملی کے تحت کراچی کے مختلف علاقوں میں چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے ایم کیو ایم کے فعال کارکنان کو یرغمال بنا لیا۔ نتیجہ" فائرنگ شروع ہوگئی اور یہی وہ مطلوبہ موقع تھا جس کی تلاش میں سارا ڈھونگ رچایا گیا تھا۔ یقیناً اسلحہ موجود تھا جس کی نمائش کی گئی لیکن اس کی موجودگی سے انتظامیہ یقیناً بے خبر نہ رہی ہوگی۔ بس پھر کیا تھا ' پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کرفیو نافذ کردیا گیا ' عقوبت خانوں کا انکشاف ہونے لگا اور توپ سے مکھی ماری جانے لگی ' از سر نو مقدمات قائم کئے گئے لیکن چالان پیش نہیں ہوئے۔ ان تمام حالات کے باوجود ایم کیو ایم حکومت میں حلیف تھی تا آنکہ اس کے ارکان نے استعفے نہ دے دئے۔ لیکن حکومتی جماعت کا رویہ انتہائی منافقانہ رہا جو زبان سے ہمدردی کے بول ادا کرتے رہے اور اندر ہی اندر جڑیں کاٹنے

عقوبت خانوں کے انکشاف کے موقع پر ایک لطیفہ بھی بڑا عام ہوا کہ جب ایک دکھیاری عورت سے اس کے بیٹے کے قاتلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے موقع پر موجود ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کردیا جو مخالف گروہ کا سرگرم کارکن ہے۔

کا سامان کرتے رہے ۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

کراچی میں تعلیم کا اوسط دیگر شہروں سے بہت زیادہ ہے ۔ عوام بھی تقریباً پڑھے لکھے ہیں ' جو کھلی آنکھوں سارے کرتب دیکھ رہے ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مخالف دھڑے کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے جو الطاف حسین کے خلاف کھلے بندوں مخالفانہ مہم چلا رہے ہیں ۔ دیواروں پر چاکنگ ہو رہی ہے ۔ غریب کارکنوں کو ڈرا دھمکا کر حمایت حاصل کرنے کا ڈرامہ بھی رچایا جارہا ہے لیکن جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ۔ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عقوبت خانوں کی بنیاد رکھنے والے کون لوگ تھے۔ عقوبت خانوں کے انکشاف کے موقع پر ایک لطیفہ بھی بڑا عام ہوا کہ جب ایک دکھیاری عورت سے اس کے بیٹے کے قاتلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے موقع پر موجود ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کردیا جو مخالف گروہ کا سرگرم کارکن ہے۔

لوگ فکر مند ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا یا بیٹھنے سے قبل ہی "جھٹکا" کردیا جائے گا تاہم کہا یہی جارہا ہے کہ "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے " کیونکہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھا رہا ہے۔ ایک مہاجر عورت نے کہا" مہاجروں کے منہ پر کالکھ مل دی گئی " کسی نے کہا"" یہ مہاجروں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سازش ہے" عوام کے خاموش رد عمل میں اہل کاروں کا رویہ بھی بڑا دخیل ہے ۔ پہلے ڈبل سواری پر پابندی لگائی گئی ' جب بسوں میں رش بڑھ گیا تو پائے دانوں سے اتار کر مرغا بنا دیا ' بٹن کھلا ہوا دیکھا تو تھپڑ جڑ دیا ' جگہ جگہ جامہ تلاشی شروع ہوگئی جیسے کہ اسلحہ جیبوں میں رکھ کر سفر کررہے ہوں گے ' مہنگائی اور ناجائز منافع خوری کے خلاف آپریشن دم توڑ چکا ہے بلکہ شروع ہی نہیں ہوسکا۔ ٹرانسپورٹ کے مسائل ہیں 'پانی میں.اب بھی کیڑے آتے ہیں ۔ نہیں جناب یہ تو حکومت کا درد سر نہیں ہے ۔ خواہ آپ کتنا کہیے کہ آپریشن ایم کیو ایم کے خلاف نہیں ہے لیکن لوگوں کے اس تاثر کو زائل کرنا ناممکن ہے جو صبح شام تماشا ئے اہل کرم دیکھ رہے ہیں ۔

سوچوں پر پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا ۔ احساسات کا رخ تشدد سے نہ پہلے بدلا ہے نہ اب بدلے گا ۔ ایم کیو ایم کو کام کرنے کا موقع دیجئے ' باہمی اعتماد پیدا کیجئے ' سیاسی عمل کے آگے بند مت باندھیے ' جو ہوچکا اس پر مٹی ڈالئے اور یہ بھی تسلیم کیجئے کہ "مہاجر" بھی "ابوتراب" (Son of Soil) ہیں ۔ نہیں تو لاؤ ترازو تول کر دیکھ لو کس کا پلڑا بھاری ہے ۔ میزان انتخاب نصب کیجئے ' آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا کہ مہاجروں کی نمائندہ جماعت کون سی ہے۔ اپنے تمام جرائم کے باوجود ایم کیو ایم ہی مہاجروں کی نمائندہ جماعت ہے ۔ جن کے خلاف مقدمات درج ہیں ان کا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے ۔ دیگ کا ڈھکنا کب تک بند رہ سکے گا' عوامی رد عمل جلد یا بدیر ضرور ہوگا ۔ عوامی ہڑتالیں ' ٹیکسوں کی بندش ' بنکوں سے رقوم کی واپسی تک کے مراحل بھی آسکتے ہیں' عوامی تحریک بھی بعید از قیاس نہیں ۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے اسے "قومیت" کا منطقی انجام ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ تو قومیت کے عفریت کو انکل پچو طریقوں سے قابو میں لانے کی سعی لاحاصل ہے ۔ کراچی کی حد تک تو "آپریشن"کلین کی بجائے "ڈرٹی" ہوچکا ہے لہٰذا اسے "اپ" ہی کر لیجئے۔

اگر آپ مسلم قومیت کے علمبردار ہیں جو ہر چند کہیں کہ ہے ' نہیں ہے تو اس کے احیا و ترویج کے لئے کوشش کیجئے اور نظریہ پاکستان کی آبیاری کیجئے ۔ ذرا سوچئے تو سہی (۱) کیا کوٹہ سسٹم نظریہ پاکستان کے مطابق ہے؟ (۲) کیا موجودہ صوبوں کی حد بندی الہامی ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ۔؟ (۳) عدل اجتماعی کی بہترین و ارفع صورت اسلام کے علاوہ بھی کہیں ہوسکتی ہے؟ (۴) کیا نظام خلافت کا قیام ہر مسلم کی تمنا نہیں ہے ؟ (۵) ظالمانہ نظام کی بیخ کنی انتخابی ذریعہ سے ہوسکتی ہے یا اس کے لئے انقلابی طریقہ کار ناگزیر ہے ؟۔ ضد چھوڑ دیجئے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے!۔○○

جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس دور کے والی سے کوئی بھول ہوئی ہے

وزیر اعظم کے سیکریٹریٹ کے تقدس کا شیشہ اتنا چکنا چور ہوچکا ہے کہ اس کی کرچیاں بھی اب جمع کرنا مشکل ہے ۔ ایک اندھے آدمی کے ذریعے فریب کا جال بچھایا گیا اور بیروز گاری کے ستائے ہوئے سادہ لوح لوگوں کو بڑی بڑی پرکشش نوکریوں کے تقرر نامے دلانے کے پر فریب وعدوں کے عوض لاکھوں روپے لوٹے گئے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ رقم کروڑ روپے سے متجاوز ہے ۔ صنعت کاروں کی حکومت کے لئے جو اربوں اور کھربوں روپے کی رقوم کو کچھ بھی نہیں سمجھتی یہ ایک حقیر رقم ہے مگر بیروز گار نوجوانوں کے خاندانوں کی یہ زندگی بھر کی پونجی ہے ۔ وزیر اعظم سیکریٹریٹ کے پرنسپل سیکریٹری جناب انور زاہد کا نام اور پیڈ استعمال ہوئے ۔ اس کا پرسنل اسسٹنٹ بشیر اس دھندے میں شریک ہے ۔ اندھے قاری غلام سرور چانڈیو کی آمدورفت کے لئے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی سرکاری گاڑی استعمال ہوتی رہی ۔ وزیٹر رجسٹروں میں ' جناب انور زاہد کے مذکورہ سٹاف ممبر کے دفتر میں برائے نام قاری کی آمدورفت کے تاریخ وائز موجود ہیں ۔

تمام حقائق منظر عام پر آنے کے بعد سکینڈل کے مرکزی کردار قاری غلام سرور کو غائب کردیا گیا ہے تاکہ اس کیس کو غتر بود کیا جاسکے اور اس کی مختلف کڑیاں آپس میں نہ مل سکیں ۔ چیف منسٹر بلوچستان کے مشیر تاج شاہ نے ایک ملاقات میں بتایا کہ چوری اور لوٹ مار کا کھوج ہر راستے سے پرائم منسٹر سیکریٹریٹ تک جاتا ہے ۔ اب انکوائری

شروع ہوئی ہے ۔ ۲۱ جون کو یہ ڈرامہ منظر عام پر آچکا ہے مگر تقریباً ایک ماہ ضائع کردیا گیا ہے ۔ جناب انور زاہد کو جو لوگ ذاتی طور پر جانتے ہیں وہ ایک نیک نام آدمی ہیں اور انہوں نے جہاں بھی کام کیا ہے اپنا اچھا تاثر چھوڑا ہے ۔ اب اس کیس کو ٹالنے اور دبانے کی بجائے چاہئے تو یہ تھا کہ شروع ہی سے ملزمان پر مضبوط ہاتھ ڈالا جاتا ۔ اور وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے تقدس کو بچایا جاتا ۔ ابھی تک وزارت داخلہ کے ڈپٹی سیکریٹری نور محمد سولنگی پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا جو اس کیس کے چند بڑے کرداروں میں سے ہے اور جس کے ہاتھ کی تحریریں قاری کی ذاتی ڈائری سے ثابت ہو چکی ہیں ۔ جتنے اہم افراد کے پتے اور فون نمبر اس میں درج ہیں وہ سولنگی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔ وزارت میں بھی سولنگی کی شہرت اچھی نہیں ہے ۔

اس واقعے کے چند دردناک پہلو ہیں جو اس طرح کے ہر واقعہ اور سانحہ کا تجزیہ کرتے ہوئے پیش نظر رکھنے ہوں گے ۔ موجودہ حکومت نے ملازمتوں پر مختلف حیلے بہانے سے پابندی عائد کر رکھی ہے ۔ تاج شاہ نے برملا کہا کہ "ہم ابھی تک کسی نائب قاصد تک کو بھرتی نہیں کرا سکے ہیں" لاتعداد بیروزگار نوجوان مارے مارے پھر رہے ہیں اور یہ نوجوان اپنی نوکریوں کے لالچ میں با اثر شعبدہ بازوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں ۔ جہاں کہیں کوئی جاب نکلتا ہے رولز کو نرم کر کے اپنے آدمیوں کو رکھ لیا جاتا ہے اور بین کبھی اگر اٹھایا گیا تو لسٹیں پہلے سے تیار ہوتی ہیں اور وزراء اور ممبران اسمبلی الیکشن جیتنے کے حساب سے اپنے لوگوں کو بھرتی کروالیتے ہیں ۔ اوپر سے نیچے تک ذہن کرپٹ ہو چکے ہیں اور کہیں نہ کہیں سے خواہ قرض تک لینا پڑے ' زیورات تک بیچنے پڑیں' بھاری رشوت دے کر کوئی ایسا عہدہ حاصل کیا جاتا ہے کہ اس رقم کے حصول اور پھر مزید لوٹ مار کا دروازہ کھل جائے اور دو تین سال کے اندر اندر دولت کے انبار لگ جائیں ۔ تاج شاہ نے بتایا کہ اسسٹنٹ کمشنری کے ایک امیدوار نے تقریباً پونے دو لاکھ روپے رشوت دی ۔ اس نے سہانا خواب دیکھا ہوگا کہ یہ رقم تو اس کی ایک ماہ کی مار ہے ۔ معاشرے میں دولت کے لالچ نے حرام مال کمانے کے سارے راستے کھول رکھے ہیں ۔

۱۹۶۰ء کی دھائی میں راقم الحروف کے ایک شناسا جو ایک مذہبی زمیندار باپ کے بیٹے تھے اس کوشش میں تھے کہ قانون کی ڈگری رشوت دیکر حاصل کریں اور پھر مجسٹریٹ یا جج مقرر ہو جائیں اور پھر "خدمت خلق کریں گے" بالکل اسی طرح جیسے ڈاکو بڑوں سے لوٹ کر اپنا پیٹ بھی پالتے ہیں اور کچھ غریبوں پر بھی خرچ کردیتے ہیں ۔ ان دنوں زیادہ سے زیادہ رشوت ۷۰ ' ۸۰ ہزار روپے ہوتی تھی ۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ پہلے تو تم یہ رقم چند ماہ میں پیدا کروگے اور پھر مزید خدمت خلق ہوگی ۔ بہرحال میرا دوست اس "خدمت" سے بچ گیا اور اپنی زمینداری میں محنت کرتے کرتے اس نے کافی روپیہ کمایا ۔

اس واقعے کا ایک نہایت تکلیف دہ پہلو اور بھی ہے جو اس معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہا ہے ۔ ان بڑے دفاتر اور حکومت کے ایوانوں میں چونکہ "خرید و فروخت" چلتی رہتی ہے "عوام کے خادم" خزانے کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں ۔ ان کے ٹھاٹھ باٹھ ' ان کے تحفے تحائف اور ان کے مالی مفادات کی بہت سی کہانیاں پرسنل سٹاف کے علم میں ہوتی ہیں ۔ ان میں احساس محرومی اور پھر لالچ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ بھی حسب توفیق ہاتھ پاؤں مارتے ہیں ۔ اس غریب ملک کا ایک ایک سیکریٹری ' ایڈیشنل سیکریٹری اور جائنٹ سیکریٹری تک خزانے کو لوٹتا ہے ۔ ان کے بیرون ملک دورے ' ان کے بیوی بچوں ' عزیزوں ' اقارب کے دورے اور مراعات ' غرض یہ حکمران طبقہ اپنے ماتحتوں کے سامنے کوئی اچھی مثال نہیں قائم کرتا ۔ مٹھی بھر ایماندار لوگوں کے سوا یہ نوکر شاہی اس طرح خزانے اور عوام پر بوجھ ہے جس طرح بیرونی امداد بوجھ ہے ۔ یہ بیرونی امداد بھی بیوروکریسی کو پالنے پر صرف ہوتی ہے ۔

جعلی قاری غلام سرور چانڈیو کو اس لئے استعمال کیا گیا کہ لوگوں کا اعتبار قائم رہے ۔ ایک تو وہ اندھا تھا اور دوسرے وہ قاری اور حافظ مشہور تھا ۔ اس لئے لوگ اعتبار کرنے اور روپیہ دینے لگے ۔

غلام سرور چانڈیو کی گمشدگی کی بناء پر اصل حقائق منظر عام پر نہیں آسکتے اور تمام کے بچنے کی امید ہے ۔ انہی دنوں یہ خبر بھی چھپوائی گئی کہ بہت سے فالتو سٹاف کو وزیر اعظم سیکریٹریٹ سے فارغ کیا جارہا ہے ۔ یہ ڈس انفارمیشن کا حصہ ہے اور اس سکینڈل کو دبانے کی ایک کوشش ہے ۔

بنی گالہ کے واقعات ' قاری سکینڈل اور اس جیسے دوسرے واقعات اتنے سنگین ہیں کہ ان کا سخت نوٹس لیا جانا ضروری تھا ۔ مگر فوری اور سخت نوٹس نہیں لیا گیا ۔ اب تو حالات یہ ہیں کہ چھپا ہوا لفظ اپنا اثر کھو چکا ہے ۔ ٹنوں کے حساب سے اخبارات چھپتے ہیں جن میں انکشافات ہوتے ہیں مگر اس کا اثر ہی نہیں ہوتا ۔ حکومت کے قریبی لوگوں کی کھال اتنی موٹی اور سخت ہو چکی ہے کہ کوئی اثر قبول کرنے کو تیار نہیں ہے ۔ غیر مسلم معاشروں میں تو نیکی بدی کی تمیز ہوتی ہے یہاں وہ تمیز بھی نہیں رہی ۔ (ماخوذ از ہفت روزہ "ایشیا" ۔ لاہور)

ڈاکٹر اسرار احمد

کی جملہ تصانیف اور تالیفات کا مکمل سیٹ

● جس میں بعض کتابوں کے اعلیٰ مجلد ایڈیشن بھی شامل ہیں:

کل مالیت -/۴۵۶ ـــــ رعایتی قیمت -/۳۰۰

● جس میں تمام کتابوں کے عام غیر مجلد ایڈیشن ہی شامل ہیں:

کل مالیت -/۳۱۴ رعایتی قیمت -/۲۰۰

المعلن: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

وادی سوات میں آوازۂ خلافت

خورشید انجم

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو بفحوائے حدیث نبوی اپنے آپ کو اسلام کے دامن سے وابستہ کرلیں اور اسلام کی اجنبیت کے اس دور میں خود بھی اسکے ساتھ اجنبی ہو جائیں۔

قافلہ تنظیم اسلامی انہی حق پرستوں کا گروہ ہے جنہوں نے اسلام کو اپنی شناخت کا ذریعہ بنایا اور تمام مروجہ اصطلاحات اور طریق ہائے کار کو چھوڑ کر احیائے نظام خلافت اور اسکے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی منہج کو اپنایا جس کے ابتدائی مراحل دعوت ' تنظیم اور تربیت پر مشتمل ہیں اور انہی مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم اسلامی کے نظام العمل میں یہ طے کیا گیا کہ ہر رفیق تنظیم ہر ماہ دوبار سہ روزہ پروگرام کیلئے اپنے اوقات فارغ کرے تاکہ ایک طرف تنظیم کی دعوت ایک محدود علاقے سے نکل کر وسعت اختیار کر سکے تو دوسری جانب رفقاء کی تربیت اس انداز پر ہوسکے کہ نظم کے اعتبار سے وہ بنیان مرصوص کی عملی تصویر پیش کر سکیں اور آگ کے مراحل سے گزر کر خاک سے خشت بن جائیں تاکہ پھر اسے باطل سے ٹکرانے کی نوبت بھی آسکے۔

تنظیم اسلامی پشاور کے زیر اہتمام سال گزشتہ سے چند استثناءات کے ساتھ باقاعدگی سے ہر ماہ دو سہ روزہ پروگرام ہو رہے ہیں جن میں پشاور اور گردونواح کے علاوہ دور دراز کے علاقوں تک بھی خلافت کے پیغام کو پہنچانے کی سعی کی گئی۔اسی سلسلہ میں تنظیم اسلامی پشاور کے ماہانہ تنظیمی اجتماع منعقدہ ۳ جولائی ۱۹۹۲ء میں یہ طے کیا گیا کہ ان شاء اللہ یہ پروگرام محرم الحرام کی چھٹیوں میں کیا جائیگا اس کے لئے منگورہ (سوات) کا علاقہ منتخب کیا گیا اور اس کی امارت کی ذمہ داری اس عاجز کے ناتواں کندھوں پر ڈالی گئی۔

حسب پروگرام ۱۵ رفقاء' ایک معاون تحریک خلافت اور ایک مبصر پر مشتمل یہ قافلہ جمعرات ۹ر جولائی کو تقریباً چار بجے دفتر تنظیم اسلامی A-6 رحمان پلازہ خیبر بازار پشاور سے روانہ ہوا۔ اس سے پہلے دو رفقاء جمشید عبداللہ اور فیض اللہ ابتدائی ٹیم کے طور پر وہاں پہنچ ہی چکے تھے تاکہ قیام وغیرہ کا بندوبست کیا جا سکے۔ منگورہ پہنچنے پر خواجہ عبدالباری ' جمشید اور فیض اللہ ہمارے انتظار میں اڈے پر موجود تھے اور ان کی معیت میں ہم سیدو روڈ پر مکا بناغ مسجد پہنچے۔ یاد رہے کہ تقریباً ۲ ماہ قبل امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسی مسجد میں ۵ر مئی کو سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ کے درس قرآن میں نظام خلافت کے احیاء کا آوازہ لگایا اور اہل سوات کو تحریک خلافت کی دعوت سے متعارف کروایا تھا۔

دوسرے روز بروز جمعہ قبل از نماز فجر خطیب مسجد جناب مولانا قاضی ثناء اللہ سے ملاقات کی گئی۔ قاضی صاحب نے اس کام کی اہمیت کو سراہا اور اپنے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

بعد از نماز فجر برادرم فیض اللہ نے درس حدیث دیا اور حدیث کی روشنی میں ایمان کے درجات اور کسی اسلامی معاشرے میں نہی عن المنکر کے درجات بیان کئے۔

بعد ازاں وادی سوات کے مختلف احباب سے ملاقات کا پروگرام بنایا گیا۔ برادرم فیض اللہ اور حافظ جمیل اختر کو "تھانہ" میں فضل ربی صاحب سے ' ڈاکٹر مقصود اور راقم کو تحصیل کبل میں محمد صدیق سے ملاقات کرنی تھی جب کہ بقیہ رفقاء نے مسجد میں "دینی فرائض کے جامع تصور" کے موضوع پر مذاکرہ کیا۔ جمعہ کے اجتماعات سے ڈاکٹر مقصود اور مراد علی نے بالترتیب تحصیل کبل اور مکا بناغ مسجد میں خطاب کیا۔

اسی روز بعد از عصر مختلف علاقوں میں گشت کیا گیا پھر بعد از نماز مغرب مختلف مساجد میں ڈاکٹر جواد ' فیض اللہ اور مراد علی نے تقریریں کیں جب کہ بعد از عشاء مکا بناغ مسجد میں مراد علی نے درس قرآن دیا۔

ہفتہ ۱۱ر جولائی کے دن کا آغاز ہلکی ہلکی بوندا باندی سے ہوا۔ مشورہ میں یہ طے کیا گیا کہ کہ آج کا دن زیادہ سے زیادہ دعوتی مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے۔ اسکے لئے رفقاء کو چار گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ان کی ذمہ داری قرار دی گئی کہ وہ مختلف علاقوں میں احباب سے ملاقاتوں کے علاوہ وہیں دعوتی تقاریر بھی کریں۔ مختلف مساجد میں برادرم محمد صدیق' مراد علی ' فیض اللہ نے ' بعد از عصر محمد صدیق مجاہد نسیم نے ' بعد از مغرب فیض اللہ نے گورنمنٹ کالج میں ' ڈاکٹر مقصود نے بورڈ کی مدد سے مسجد اللہ اکبر میں ' محمد صدیق نے مین بازار مسجد میں ' جبکہ محمد صدیق ' مراد علی اور ڈاکٹر مقصود نے مختلف موضوعات پر خطاب ودرس قرآن دیا۔ نماز عشاء کے بعد ڈاکٹر محمد نثار صاحب کے ہاں کھانے کی محفل پر مختلف حضرات سے تبادلہ خیال ہوا اور موجودہ حالات میں تنظیم کے طریقہ کار اور انتخابی طریق کار کی ناکامی کو واضح کیا گیا۔

اتوار ۱۲ر جولائی کو یہ طے کیا گیا کہ آج گزشتہ روز کی تربیتی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے اس لئے "دینی فرائض کے جامع تصور" کے موضوع پر مذاکرے کا آغاز کیا گیا۔ الحمد للہ اس کے نتیجے میں بالکل خاموش رہنے والے رفقاء نے بھی گفتگو کی۔ بعد ازاں "اسلام کا انقلابی منشور" اور "مفادات پرست عناصر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ" کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔

بعد از ظہر دارالعلوم خیر المدارس' مسجد ایف سی ہیڈ کوارٹر اور مکا بناغ مسجد میں اس سہ روزہ پروگرام کے اختتامی بیانات بالترتیب ڈاکٹر مقصود ' فیض اللہ اور مراد علی نے کئے۔ اور دین حق کی دعوت کی ندا لگانے والا یہ قافلہ حق تقریباً ۴ بجے دوسرے پروگرام کی امید پر عازم پشاور ہوا۔

ناانصافی ہوگی اگر محترم خواجہ عبدالباری اور ڈاکٹر محمد نثار کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اس پروگرام میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ علاوہ ازیں اہل سوات نے بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مسلمانوں نے اپنے طرز حکمرانی کو خود ہی ناقابل عمل سمجھ لیا ہے

یہ بے مغز تجزیئے، عقل و شعور سے عاری تبصرے

سید معین الدین شاہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اخباری صحافت اپنے بے مغز تجزیئے اور عقل و شعور سے عاری تبصروں کے ذریعہ پاکستان کو ایک اپاہج اور معذور ریاست ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے اور دوسری طرف ملت میں خود اعتمادی کے جوہر کو زنگ آلود کر کے ایک بے بس جمعیت کی صورت میں تباہی و بربادی کے کنارے کھڑی ہوئی لاچار قوم کے طور پر منظر کشی کی جارہی ہے۔ یہ سب کچھ ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے ایک مرحلہ وار پروگرام کے تحت ہورہا ہے۔ "الحذر راز جعفران ایں زماں"۔ اس تمام الجھاؤ، خلفشار، و انتشار کا منشاء و مقصد پاکستان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر امریکہ کے قدموں میں ڈال دینا ہے کیونکہ اس عنصر کے مطابق ہمہ مقتدر امریکہ ہی پاکستان کو ان مشکلات سے نکال سکتا ہے اور آج کی دنیا میں امریکہ ہی پاکستان کا نجات دہندہ ہے۔ پہلے بھی امریکہ نے ہی پاکستان کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا تھا۔ آج بھی امریکی عالمی نظام کے جلو میں ہی پاکستان باوقار کردار ادا کرسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے کی امریکی دھمکی کا ہوا بھی دکھایا جارہا ہے۔

تاریخ اور وقت کے دھارے سے لاعلم، کم فہم اور کور چشم اخباری صحافت اپنی کوششوں کی پیہم ناکامیابیوں کے شعور سے بھی عاری ہے۔ اس کی یہ تمام جدوجہد رائیگاں جائیگی۔ پاکستان کو امریکہ کا باجگزار نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ بات عالمی چلن کی نئی رو کے تقاضوں کے بالکل الٹ اور متصادم ہے۔ گذشتہ تین صدیوں کا عالمی نظام اپنی بوسیدگی کی بناء پر ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا ہے۔ تین صدیوں کی دم توڑتی ہوئی تثلیث کے آخری پائے کی تباہی و بربادی شروع ہے۔ برطانیہ اور اس کو غرق ہوتے ہوئے دنیا نے دیکھ لیا ہے۔ "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کے امریکی اعلان کی ریوڈی جنیرو کے جنگلات میں گونج اب بھی سنائی دے رہی ہے۔ دنیا کی مالی سپر طاقتیں جرمنی اور جاپان نے پاکستان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنا وزن تیسری دنیا کے پلڑے میں ڈال دیا ہے اور امریکہ نے انکار کرتے ہوئے خود کو یک و تنہا کرلیا ہے۔

مستقبل میں عالمی حالات کی صورت گری ہتھیاروں اور اسلحہ کی قوت کی بنیاد پر نہیں ہوگی۔

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

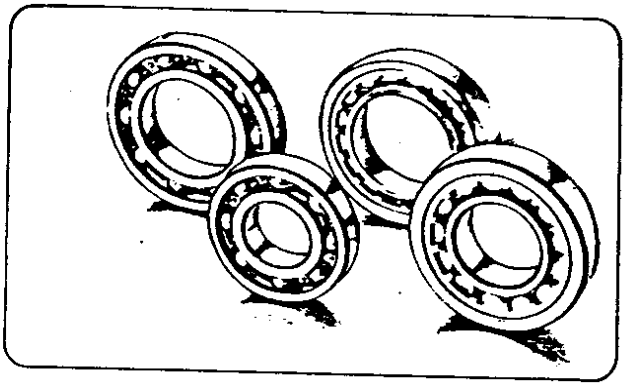

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

۱۹۴۵ء کی عالمگیر جنگ کے حالات و نتائج کے اثرات کی پیدا کردہ دھڑے بندیاں اپنی موت آپ مرچکی ہیں ' ہتھیاروں کے انبار ذخیرہ کرنے کا دور بھی دم توڑ چکا ہے ' دنیا پر تسلط کا کوئی امریکی منصوبہ چاہے وہ جس نام سے بھی ہو کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اب دنیا تجارتی اقتصادیات کے اشتراک پر مشتمل بلاک جن میں کسی ایک فریق کا نہیں بلکہ فریقین کا مفاد قدر مشترک ہوگا' معرض وجود میں آئینگے ۔ ہتھیاروں کی بنیاد پر برتری کے بلاک نزع کی حالت میں موت کی طرف سرک رہے ہیں ۔ ان میں زندگی کی نئی حرارت کا پیدا ہونا ممکن نہیں ۔ امریکہ بطور یادگار سپر پاور گرداب کے مرکز کی طرف قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے اور اس کا مقصد غرقابی ہوچکا ہے ۔ روس کے ہتھیار اب بھی زنگ آلود نہیں اور نہ ہی اس کی اسلحی قوت میں کوئی کمی آئی ہے لیکن روس نامی سلطنت دنیا سے معدوم ہوچکی ہے ۔ اور اب اپنے جنگی بحری جہازوں کی سکریپ کے بھاؤ قیمت پر نیوزی لینڈ سے مکھن خرید رہا ہے ۔

عالمگیر طور پر دو اقتصادی ' تجارتی اور صنعتی سپر طاقتیں جاپان اور جرمنی کی صورت میں ابھر کر سامنے آچکی ہیں اور ان دونوں سپر پاورز نے ریوڈی جنیرو میں اپنا وزن غیر ترقی یافتہ دنیا کے پلڑے میں ڈال دیا ہے جبکہ امریکہ نے اپنا ووٹ مخالفت میں ڈالا ۔ غیر ترقی یافتہ دنیا موجودہ دنیا کا واحد اہم ترین خطہ ہے ۔ غیر ترقی یافتہ دنیا ایک عالمی منڈی ہے اور ترقی یافتہ ممالک کی پیداوار کی کھپت کا واحد ذریعہ ۔ امریکہ کی پیداواری صلاحیت بہت زیادہ ہے لیکن اس کی قیمت فروخت بھی بہت اونچی ہے ۔ مزید یہ کہ امریکی تجارت اور قرضوں کے حصول کے ساتھ امریکی مفادات کی تکمیل بھی لازمی شرط ہے ورنہ امریکہ منجدھار میں یک و تنہا ڈوبنے کے لئے چھوڑ دیا کرتا ہے لہٰذا تیسری دنیا کے غریب لوگ جاپان' جرمنی اور دوسرے صنعتی ممالک کی اشیاء کی بہترین منڈی بن جائینگے اور اس طرح تجارتی و اقتصادی بلاک کی تشکیل پائینگے جو امریکہ کی مخالفت اور ضد میں پروان چڑھینگے امریکی ہتھیار سکریپ کے بھاؤ خریدنے والا بھی کوئی نہیں ملے گا۔

ان حالات میں افغانستان مسلم بلاک کا نقطہ آغاز ہے اور دنیا کا سب سے زیادہ اثر پذیر یہ خطہ اپنی جغرافیائی حیثیت ' نظریاتی ہم آہنگی اور تجارتی و اقتصادی اشتراک کی بنیاد پر دنیا کا ایک اہم ترین بلاک بن جائے گا جس کو چین ' جاپان ' جرمنی اور دوسرے صنعتی ممالک کا برابری کی بنیاد پر تعاون حاصل ہوگا۔ اس دور کا آغاز کرنے کے لئے پاکستان کو بہت کچھ کرنا ہوگا ۔ خصوصی طور پر مغربی عملی سائنسی تفوق ختم کرنا ' جس کے بغیر خود کو نمایاں اور وزن دار نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ قوم جس کے ہر گلی محلہ میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے سکول کھلے ہوئے ہیں ' کبھی دنیا میں اپنا ذاتی تاثر یا تشخص قائم نہیں کر سکتی ۔ یورپ یا مغربی اقوام نے انسانی معاشرے کی بنیاد ڈارون کی تھیوری پر رکھی جس نے سوسائٹی اور اقوام عالم میں حیوانی طاقت اور درندگی کے اصول "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے انداز کار کو آگے بڑھایا جس کا نتیجہ بیسویں صدی کی دو عظیم جنگیں اور روس کا پھیلاؤ تھا۔ دوسری طرف ملت اسلامیہ اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود۔

- اپنی اصل میں جمہوریت پسند اور شورائی ہے کیونکہ مسلم سوسائٹی اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے قانون پابند معاشرہ ہے۔
- آمرانہ "اکثریت" پسند سماج نہیں جس میں مسلمان کو بھی صرف میکانکی طور پر مشینی اکثریت کے ساتھ کالعدم یا تبدیل کیا جاسکتا ہو۔
- مسلم سوسائٹی کے کچھ مسلمات ہیں جنہیں نہ تو چھیڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے ۔
- سب سے بڑی بات یہ کہ مسلم سوسائٹی کسی فرد یا جماعت کی خدائی کی قائل نہیں ۔
- اسلامی ریاست و حاکمیت اپنی فطرت و نوعیت کے اعتبار سے نیابتی ہے اور اسی طریق حکومت کو ہم خلافت کہتے ہیں جو کہ تفویض کردہ امارت ہے۔ اختیارات کے استعمال میں اپنے احکم الحاکمین کے عطا کردہ فرمان کے مطابق نفاذ قانون کی پابند مسلم امارت کسی طور پر بھی خود مختار نہیں ۔ ساورنٹی کی مغربی تعریف کا اطلاق کسی بھی مسلمان حکمران یا پارلیمنٹ پر کسی طور نہیں کیا جاسکتا (یہاں صرف معروف اصولوں کی بات کی جارہی ہے)

بہرکیف یہ تصور حاکمیت اور معاشرتی اسلوب یورپی اقوام کے جابرانہ تسلط کی بناء پر عملاً پس پشت چلا گیا تھا اور یورپی اقوام کی یک طرفہ نشرو اشاعت اور تشہیر مسلسل سے متاثر ہو کر خود مسلمانوں نے اپنے اصول و طرز حکمرانی کو کافی حد تک ناقابل عمل سمجھ لیا تھا اور یہ سوچ آج بھی کسی حد تک موجود ہے ۔ ہم یورپی اشتہار بازی کا خالصتاً" منطقی و عقلی جواب دینے سے غافل ہیں ۔ ہم میں مذہب پرستی بہت زیادہ ہے ' دین سے تعلق بہت کم رہ گیا ہے ۔ ہم اسلام کے حوالے سے کوئی بات بھی پوری انسانیت کی فلاح و بہتری اور پوری دنیا کی بہبود کے لئے کرنے کو تیار نہیں ۔ بات صرف مذہب و عقیدت کے حوالے سے کی جاتی ہے جو عالمگیر مسائل کے حل کا کوئی تاثر نہیں پیدا کرتی کیونکہ دنیا کے باسی بطور انسان اس کے مخاطب ہی نہیں ہوتے ۔ اسلام کا ہر اصول صرف مسلمانوں کی بہبود کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام بنی آدم کی بہتری کے لئے ہے لہٰذا اسے پوری دنیائے انسانیت کی بھلائی و بہتری کے لئے پیش کیا جانا چاہیے۔

مغربی مفکرین کی پھیلائی گمراہی اور بنیاد پرستی کے خود تراشیدہ الزامات کی دھند کا پردہ چاک کرکے انسان دوست مسلم معاشرے کے حقیقی خدوخال دکھانے کی ضرورت ہے جو یورپی افکار و معاشرتی تصورات اور چلن کی ناکامی کے واقعاتی شواہد کے بغیر ممکن نہیں ۔۔

ہر بنائے کہنہ کاں باداں کنند
اول تعمیر آں ویراں کنند

بقیہ : یہ عبرت کی جا ہے

اس طرح روز قیامت ہم یہ تو کہہ سکیں کہ اے اللہ ! ہم نے موت سے پہلے پہلے خود کو اس قافلے سے الگ کر لیا تھا جو تیزی سے گمراہی کے گڑھے کی طرف بڑھ رہا تھا ۔اور اے اللہ ! ہم آج کی جواب دہی کے خوف سے ان چند کمزور افراد کے ساتھ شامل ہوگئے تھے جو اپنی تمام تر جسمانی ' مالی اور عددی کمزوریوں کے باوجود اس بڑے قافلے کو تباہی سے بچانے اور تیرے دین کی بالادستی کے لئے کربستہ ہوگئے تھے ۔ ہم نے دل و جان سے تسلیم کر لیا تھا کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اور صرف تو ہے ۔ نہ عوام ہیں نہ کوئی اسمبلی اور نہ کوئی صدر یا وزیراعظم۔ ہمارے عقیدے کی رو سے اگر کوئی بڑے سے بڑا اختیار ہمیں حاصل تھا تو صرف تیری خلافت اور نیابت کا۔ اسی کی ترویج و استحکام کے لئے ہم نے کوشش کی اور ہم صرف کوشش ہی کرسکتے تھے ۔اور تو ہمارے بس میں کچھ نہ تھا۔○○

خلافت کی پاکیزگی چھوڑ کر
ہم کس غلاظت میں منہ مار رہے ہیں!

برطانیہ میں جمہوریت کی "برکات"

فضل کریم عاصم ایم۔ اے

پاکستان میں پچھلے ۴۵ سال سے جمہوریت کا ڈھول بجایا جارہا ہے اور پاکستانی قوم کے دل و دماغ میں یہ بات پوری طرح اتر گئی ہے کہ ہم ایک سچے جمہوری نظام کی تلاش میں ہیں۔ جمہوریت کی خوبیاں اور خدوخال ہمارے ذہن پر نقش ہوچکے ہیں۔ جمہوریت کے خلاف ہم ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں۔ سیاسیات کا طالب علم اس کی لفظی اور معنوی خوبیوں کو دن رات رٹتا ہے۔ جمہوریت یعنی عوام کی، عوامی نمائندگان کے ذریعے عوام پر حکومت ہے، گویا عوام اپنی مرضی کے نمائندے چن کر حکومت میں بھیجتے ہیں۔ جو نمائندے ٹھیک کام نہ کریں انہیں عوام اقتدار سے ہٹا کر دوبارہ اپنے پسندیدہ نمائندے چن لیتے ہیں۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے یہاں اس چناؤ کا طریقہ کار کوئی اور ہے۔ یعنی بڑے بڑے زمیندار اپنے مزارعوں اور دیگر کارندوں کے ذریعے اقتدار میں آتے ہیں۔ وڈیرے اپنے ہاریوں مزدوروں اور بد معاشوں کے ذریعے ہر بار چنے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مل مالکان اور دولت مند اپنے مزدوروں، کارندوں اور غریبوں کے ووٹ خرید کر ہر بار حکومت پر قبضہ جمالیتے ہیں اور پھر اس نفع بخش کاروبار پر کی ہوئی سرمایہ کاری کو بمع سود وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے چودھری برادری سسٹم کے ذریعے سیٹوں پر قبضہ کر کے من مانیاں کرتے ہیں۔

عوام اور غریب مزدور انتظار ہی میں زندگی گزار دیتے ہیں کہ عنقریب ان کی حالت سدھر جائے گی۔ پھر بھی جمہوریت ہمارے لئے پسندیدہ اور جانی پہچانی چیز ہے۔ اس کے مقابلے میں جب یہ کہا جائے کہ نظام خلافت بھی ایک طرز حکومت ہے جسے اللہ کے بندوں نے ایک بار نافذ کر کے دکھادیا ہے تو یہ اصطلاح نہایت ہی غیر مانوس، فرسودہ اور اجنبی سی معلوم ہوتی ہے۔ اس جدید دور میں خلافت جیسے متروک لفظ سے کان کسی طور بھی مانوس نہیں ہوتے۔ اس کا تذکرہ کرنے والے رجعت پسند معلوم ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام البتہ پوری طرح جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

دوسری بہت سی "نعمتوں" کی طرح ہمارا موجودہ جمہوری نظام بھی ہمیں مغرب سے ملا ہے۔ جمہوریت کا آج کے دور میں سب سے بڑا دعویدار تو امریکہ ہے جہاں خدا سے بھی بڑھ کر اس کی پرستش ہوتی ہے تاہم برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر سکنڈے نیوین ممالک بھی اسی کے دلدادہ ہیں۔ امریکہ کی جمہوریت ظاہراً کیسی بھی ہو، اس کی باطنی حقیقت اب طشت از بام ہوچکی ہے اور کچھ عرصہ پہلے ایک کالے امریکی کے خلاف عدالتی فیصلے پر جس قسم کی اندرونی خانہ جنگی کا مظاہرہ ہوا تھا اس نے امریکی جمہوری نظام کے ڈھول کا پول کھول دیا ہے۔ اگر چشم بینا ہو تو واضح ہوجاتا ہے کہ امریکی جمہوریت کی حیثیت اس خربوزے سے مختلف نہیں جو اوپر سے پکا ہوا اور خوبصورت نظر آرہا ہو لیکن اندر سے گل سڑ کر بدبودار ہوچکا ہے۔ یہاں البتہ برطانوی جمہوریت پر تھوڑا سا تبصرہ کرنا مقصود ہے۔

ہمارے ایک ملنے والے پچھلے تقریباً بیس سال سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ وہاں ملازمتوں اور کاروبار کے ذریعے انہوں نے ڈھیروں روپیہ کمایا اور زندگی کی ہر آسائش حاصل کی لیکن بدقسمتی سے اب وہاں سخت پریشان ہیں اور جلد سے جلد واپس بھاگ آنا چاہتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس وہاں کی شہریت ہے، دولت، پیسہ کاروبار اور اپنا مکان ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستانی بیوی اور بچے بھی ہیں پھر ان نعمتوں سے منہ موڑنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک غیرت مند مسلمان کے لئے وہ دوزخ سے کم نہیں۔ میرے بچے سیانے ہورہے ہیں اگر کچھ عرصہ مزید وہاں رہا تو میرے بچے میرے نہیں رہیں گے، میری عزت میری نہ رہے گی سبھی کچھ لٹ کر رہ جائے گا۔ ان سے بڑی تفصیلی بات ہوئی جسے اجمالاً پیش کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ برطانیہ دوسرے یورپی ممالک اور خصوصاً سکنڈے نیوین ممالک کے مقابلے میں غریب بھی ہے اور شریف بھی۔ غریب اس لحاظ سے کہ برطانیہ میں معاشرتی تحفظ (سوشل سیکورٹی) اس درجے پر نہیں جتنی دیگر ممالک میں ہے۔ شریف اس لئے کہ ایشیائی اقوام کی سب سے زیادہ آمد و رفت اسی ملک میں رہی ہے۔ یہاں کے عوام نے عرصہ تک بادشاہوں سے لڑ جھگڑ کر جمہوری آزادیاں حاصل کی ہیں اور دنیا کی موجودہ ترقی کا وہ خود کو ہیرو سمجھتے ہیں۔ لیکن رجعت پسندی کی حالت یہ ہے کہ جمہوری قدروں کا دعویدار ہونے کے باوجود بادشاہت کا ایک گونگا بہرا بت ابھی تک مسند اقتدار پر سجا رکھا ہے۔ اخلاقیات کو البتہ انہوں نے بھی ملک بدر کردیا ہے۔

ہم جمہوری نظام کی بسم اللہ کررہے ہیں لیکن جنہوں نے جمہوری قدروں کی انتہا پائی ہے ان کے حالات کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہیں۔ پچھلے ۴۵ سال میں جو کچھ جمہوریت نے ہمیں دیا ہے وہ بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ خدا اور اس کے رسول نے جن معاشرتی، معاشی اور اخلاقی برائیوں کو واضح کرکے بتادیا ہے، شاید ہی ان میں سے کوئی ایسی ہو جسے ہم اپنانا بھول گئے ہوں۔

خدا کرے کہ ہمارا ضمیر ہمیں جھنجھوڑ سکے کہ ہمارے موجودہ راستے کی منزل دجل و فریب سے بھرے ہوئے سراب کے سوا کچھ نہیں تاکہ ہم صحیح راستے کا تعین کرنے کے قابل ہوسکیں۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

بقیہ: حسن ترابی

حمایت کو ذمہ دار سمجھتے ہیں جس کے نتیجے میں سوڈان کی اپنی پورے خطے میں اپنا نظریہ برآمد کرنے کی خواہش سامنے آرہی ہے۔ لیکن ترابی کے مخالفین کی جانب سے بشیر حکومت کی پشت پناہی کرنے پر انہیں حکومت کے جرائم میں بھی شریک گردانا جاتا ہے۔ لہٰذا سوڈان اور مغرب کے تعلقات میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے بین الاقوامی سطح پر اسلام کی اصل روح پیش کرنے کے لئے انہوں نے برطانیہ' امریکہ اور کینیڈا کا یہ سفر اختیار کیا تھا۔

اکثر لوگ ترابی کو روایتی ست رو نظریات اور مبہم خیالات کا پرچارک ہونے کے بجائے جدید اور ترقی پسندانہ اسلامی نظریات کا حامل اور علمبردار خیال کرتے ہیں' ان کے بدترین دشمن بھی جناب ترابی کی تیزی طراری' ذہانت و فطانت' خطیبانہ مہارت اور حربی سیاست کے قائل ہیں۔ بہت سی اسلامی تحریکیں ان کی اسلامی اور مغربی دونوں اقدار سے آگاہی اور حکومتی و سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ وابستگی کے ناطے انہیں عرب دنیا میں حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کا پیش خیمہ قرار دیتی ہیں مگر ان کی ولولہ انگیز تحریروں کے برعکس سوڈان کے عوام حقیقی تبدیلی دیکھنا چاہتے ہیں۔ جناب ترابی بیک وقت قابل احترام شخصیت بھی ہیں اور غیر پسندیدہ بھی۔ یہی معاملہ ان کی تحریک کا بھی ہے جس سے امیدیں اور خدشات دونوں بیک وقت وابستہ ہیں۔ ○○

بقیہ: مکتوب پشاور

اور مختلف احباب نے رابطہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

بہرحال وادی سوات میں پہلے سہ روزہ پروگرام کی مناسبت سے یہ پروگرام الحمد للہ بہت کامیاب ثابت ہوا جس میں تین روز میں مجموعی طور پر ۲۰ پروگرام ہوئے اور وادی سوات میں ہماری دعوت گونج اٹھی ان شاء اللہ یہ بیج جو وہاں بکھیرا گیا' تناور درخت بنے گا۔ ○○

بقیہ: تجزیہ

کردیا جاتا ہے تو نئے الیکشن ہوسکتے ہیں۔ اس سے نئی فضا بنے گی اور ایم کیو ایم بھی زیر زمین جانے کی بجائے اپنے ووٹوں کا سہارا لے کر انتخابی سیاست کرسکے گی۔

بہتر یہی ہے کہ ایم کیو ایم کے مستقبل کا فیصلہ حکومت یا فوج نہ کرے' کراچی حیدرآباد کے عوام غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات سے کریں۔ اس سے نہ صرف شہری علاقوں میں ایم کیو ایم مطمئن ہوسکے گی بلکہ دیہی علاقوں میں پیپلزپارٹی میں بھی اطمینان کا احساس ہوگا۔ اصولی طور پر تو نئے حالات میں مرکز میں بھی نئے مینڈیٹ کے ساتھ نئی حکومت کو آنا چاہیے کیونکہ اسلامی جمہوری اتحاد کا مینڈیٹ یا حق حکومت ختم ہوگیا ہے تاہم مرکزی سطح پر نہیں تو کم از کم سندھ میں نئے انتخابات کا اہتمام ضروری ہے۔ اس کے بغیر سندھ کے سیاسی مطلع کا گرد و غبار نہیں چھٹ سکے گا۔

ایک مسئلہ سندھ اور کراچی کی بلدیات کا ہے' ان کی میعاد ختم ہوگئی ہے اور صوبہ میں جام صاحب بلدیاتی انتخابات کا سامنا نہیں کرسکتے تھے اس لئے یہ ملتوی کئے جاتے رہے مگر اب جبکہ شہری علاقوں میں ایم کیو ایم کے انقلاب سے دوچار ہونے کے بعد بلدیات معطل پڑی ہیں اور دیہی علاقوں میں بھی بلدیاتی ادارے زائد المیعاد ہوگئے ہیں تو فوری طور پر نئے بلدیاتی انتخابات کا انعقاد ہوجانا چاہیے۔ یہ بڑا غلط ہوگا کہ صرف شہری علاقوں میں بلدیات کو توڑ دیا جائے اور ان علاقوں میں صوبائی حکومت کے ایڈمنسٹریٹر کام چلاتے رہیں۔ اس سے کراچی کے لوگوں میں مزید تاثر پیدا ہوگا کہ انہیں بلدیات سے بھی بے دخل کردیا گیا ہے اور مظفر شاہ حکومت تن تنہا اس پر قابض ہوگئی ہے۔ اگر بلدیات کو توڑنا ہے تو سارے سندھ میں توڑنا چاہیے اور فوری طور پر نئے بلدیاتی انتخابات کرانے چاہئیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پنجاب میں بلدیاتی انتخابات ہوں لیکن سندھ کے شہری اور دیہی علاقے منتخب بلدیات سے محروم رکھے جائیں سندھ کے دیہی علاقے ہوں یا شہری علاقے' ان میں سیاسی حل کی طرف توجہ رہنی چاہیے۔

ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل عالم جان محسود نے صحیح کہا ہے کہ فوج تھانیداری نہیں کرسکتی' یہ اس کا کام نہیں ہے۔ عالم جان محسود نے کہا کہ جب جنرل اسلم بیگ نے یہ کہا تھا کہ فوج کو اختیارات مل جائیں تو وہ دو تین ہفتوں میں سب کچھ ٹھیک کردیگی تو انہوں نے اسلم بیگ سے کہا تھا کہ دو تین ہفتے کیا دو تین سال اور دس سال میں بھی فوج کچھ نہیں کرسکے گی اور وہ یہ کام اپنے ذمے لینے کے متعلق ہرگز نہ سوچے۔ انہوں نے کہا کہ بے نظیر حکومت کو چلنا چاہیے تھا۔ اس سے مسئلہ بتدریج سلجھ سکتا تھا لیکن ۱۲ر سے ۲۳ر جولائی کے درمیان کور کمانڈروں کی کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ بے نظیر کو بمع اسمبلی چلتا کیا جائے اور صدر اسحاق کو اپنے فیصلے سے مطلع کیا گیا۔ اس وقت بھی انہوں نے بقیہ کور کمانڈروں کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ۸۳ء سے ۸۸ء تک مارشل لاء حکومت کی پالیسیوں نے سندھ کے حالات خراب کئے اور اب بھی فوج کو سندھ آپریشن میں زیادہ پھنسنا نہیں چاہیے اور سندھ کے مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنا چاہیے کیونکہ کوئی فوجی حل کارگر نہیں ہوگا۔ ○○

بقیہ: تفکر و تذکر

رفقاء کی معیت میں اجتماعی گشت کرتے ہوئے توحید کا باواز بلند اعلان کیا -- (۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں مروج جملہ مذہبی' سماجی' حتیٰ کہ تفریحی اجتماعات کا بھی آپؐ نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے لئے بھرپور استعمال فرمایا' چنانچہ جہاں حج کے اجتماع میں آپؐ نے ہمیشہ التزام کے ساتھ تبلیغ فرمائی' وہاں عکاظ کے "میلے" سے بھی اجتناب نہیں فرمایا! فصلی اللہ علیہ والہ وسلم!

۴۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ آپؐ نے اپنے پیغام کی نشرو اشاعت اور اپنی دعوت کے ابلاغ و تبلیغ کے لئے تمام ممکنہ طریقوں اور جملہ دستیاب وسائل کا بھرپور استعمال فرمایا۔ یہاں تک کہ مروجہ "رسومات" تک کو اختیار کیا۔ صرف اس احتیاط کے ساتھ کہ اگر ان میں کوئی عنصر صریح طور پر فحش اور منکر کا شامل تھا تو اسے خارج کردیا۔ جس کی نمایاں ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے پہلے "جلسہ عام" کے لئے لوگوں کو مدعو اور متوجہ کرنے کی وہی صورت اختیار کی جو معاشرے میں "نذیر عریاں" یعنی ننگے خبردار کرنے والے اختیار کرتے تھے یہاں تک کہ وہی لفظ یعنی "واصباحاہ" استعمال کیا جس کا وہاں رواج تھا۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ آپؐ نے خود عریانی اختیار نہیں فرمائی! ---- یقیناً آپؐ کے اسی اسوہ میں دائمی رہنمائی ہے ان سب کے لئے جو اسلامی انقلاب کے خواہاں اور اس کے لئے کوشاں ہوں۔

تاہم اس فیصلہ کے بارے میں ابھی تک پیپلزپارٹی یا پی ڈی اے کی میرے ساتھ کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ جب مجھ سے بات ہوگی تو میں ان سے استعفوں کا مطلب پوچھوں گا اور پھر یہ معاملہ اپنی پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں پیش کروں گا چنانچہ ورکنگ کمیٹی جو فیصلہ دے گی اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس سوال پر کہ آیا وہ اے پی سی یا پی ڈی اے میں شریک ہو رہے ہیں' انہوں نے کہا کہ ابھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ وہ آج نواب زادہ نصراللہ خان سے ملاقات کررہے ہیں۔ اس ملاقات میں نئے اتحاد کے قیام کا معاملہ بھی زیر غور آسکتا ہے۔ اس سوال پر کہ آیا وہ ملکی مسائل کے حل کے سلسلہ میں وزیراعظم سے ملاقات کا بھی ارادہ رکھتے ہیں' انہوں نے کہا کہ مجھے وزیراعظم کی ملاقات سے اللہ بچائے۔

مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے بعد ازاں جمہوری پارٹی کے دفتر واقع نکلسن روڈ میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پی ڈی اے کی جانب سے استعفے دینے سے بلاشبہ سیاسی خلا پیدا ہوگا اور اس سیاسی خلا سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میاں نواز شریف جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میاں نواز شریف کو بھیجنے کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں۔ ان پر اسمبلی میں عدم اعتماد ہوسکتا ہے' احتجاج کا راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے' اسمبلیاں توڑی جاسکتی ہیں اور دیگر کئی جمہوری طریقے ہیں جو استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ میاں نواز شریف خود ہی چلے جائیں۔ اس سوال پر کہ آیا عدم اعتماد کی تحریک کامیاب ہوسکتی ہے' انہوں نے کہا کہ عدم اعتماد کی تحریک کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایسی تحریک کا حشر پہلے بھی آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے میں عدم اعتماد کی تحریک کے حق میں نہیں ہوں۔ اس سوال پر کہ اگر انہیں سندھ حکومت میں شمولیت کی پیش کش ہوئی تو آیا وہ قبول کرلیں گے' انہوں نے کہا کہ اب ہم سندھ حکومت میں واپس نہیں جاسکتے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا وہ دوبارہ نگران وزیراعظم بننا قبول کریں گے' انہوں نے کہا کہ نہ مجھے ایسی کوئی پیش کش ہوئی ہے اور نہ ہی میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ ہمارا مطالبہ تو یہ ہے کہ قومی حکومت بنے جو دوبارہ انتخابات کرائے اور انتخابات بار بار ہونے چاہئیں کیونکہ اگر جمہوریت کا راستہ روکا گیا تو حالات مزید خراب ہوں گے۔

فوج کے کردار کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ فوج بھی سسٹم کا حصہ ہے۔ آئین میں بھی اس کا ذکر ہے اور اس کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سندھ حکومت تو ناکام ہوچکی ہے اور ڈاکوؤں کے خلاف کامیاب فوجی ایکشن سے سندھ کے لوگ مطمئن ہوئے ہیں اور فوج سے تعاون بھی کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ فوج آخری راستہ ہے اس لئے لوگوں کو فوجی ایکشن میں تعاون کرنا بھی چاہیے تاکہ سندھ کے لوگوں کو امن و سکون حاصل ہوسکے لیکن اگر فوجی آپریشن کامیاب نہ ہوسکا تو پھر خدا جانے کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس سوال پر کہ آیا پنجاب اور دوسرے صوبوں میں بھی فوجی ایکشن ہونا چاہیے' انہوں نے کہا کہ تمام صوبوں کے حالات کے بارے میں انہیں علم نہیں البتہ جہاں ضرورت ہو' وہاں آپریشن ضرور ہونا چاہیے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پنجاب کے حالات بھی انہیں تو اچھے نظر نہیں آرہے لیکن اگر انہوں نے اس بارے میں کچھ کہہ دیا تو وائیں صاحب پھر ناراض ہوجائیں گے۔ اس سوال پر کہ آیا وہ صدر مملکت سے اسمبلیاں توڑنے کا مطالبہ کریں گے' انہوں نے کہا کہ وہ صحیح وقت پر صحیح مطالبہ کریں گے' ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ان کی اطلاع کے مطابق صوبائی اور وفاقی حکومت نے سندھ میں فوجی آپریشن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی ہیں

-(نوائے وقت لاہور ۲۷ر جولائی)

خبر کشائی

میم سین

○- پیپلزپارٹی سے زیادہ سیکولر ذہن رکھنے والے مسلم لیگی اسلامی نظام کی مخالفت کررہے ہیں۔ (مولانا سمیع الحق)

☆- اس کے باوجود آپ آئی جے آئی میں شامل ہیں؟

○- پیرپگاڑہ سے شناختی کارڈ طلب کئے جانے پر مریدوں کا ہنگامہ۔ رینجرز کے رویے پر پیرپگاڑہ طیش میں آگئے۔ (ایک خبر)

☆- ہاں بھلا بتائیں کہیں پیروں سے بھی شناختی کارڈ طلب کیا جاتا ہے!

○- ہم نے ربوٰ کے بارے میں فیصلہ دیدیا ہے۔ اب سب دعا کریں۔ (جسٹس تنزیل الرحمن)

☆- لیکن اگر مریض علاج کروانے سے انکار کردے تو کیا صرف دعا سے کام بن سکتا ہے؟

○- ایم کیو ایم کی درخواست پر اس کی قیادت کو تحفظ فراہم کردیا گیا۔ (بریگیڈیر ہارون)

☆- عوام کو تحفظ کون کس کی درخواست پر فراہم کرے گا؟

○- دشمن کشمیر کا بدلہ سندھ میں لینا چاہتا ہے۔ (قاضی حسین احمد)

☆- اور نادان دوست اس کو یہ موقع فراہم کررہے ہیں!

○- اخبارات بے یقینی کی فضا کو فروغ دے رہے ہیں۔ ہم کوئی ہدایت نہیں دیں گے لیکن عوام اخبارات سے ضرور پوچھیں گے۔ (وفاقی وزیر اطلاعات)

☆- عوام کس کس سے کیا کیا پوچھیں!

○- معیشت سے ربوٰ کا خاتمہ دینی فریضہ ہے۔ (مولانا عبدالستار خان نیازی)

☆- غالباً اسی دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے آپ ایک ایسی حکومت میں شامل ہیں جس نے ربوٰ کے بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کررکھی ہے۔

الحمدللہ کہ تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ۶۷۔ اے' علامہ اقبال روڈ نزد گڑھی شاہو لاہور میں فیکس مشین نصب ہوگئی ہے۔ رفقاء و احباب نمبر نوٹ فرمالیں جو 366638-(042) ہے

تحریک خلافت کے ضمن میں اطلاعات و پیغامات کی ترسیل کے لئے بھی یہی نمبر استعمال کیا جاسکتا ہے

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

The Globe and Mail, Thursday, May 28, 1992

سوڈان کے جناب حسن عبداللہ ترابی

اٹاوہ میں جن کا انوکھا "استقبال" ہوا

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

("ندائے خلافت" کے پچھلے شمارہ میں "ٹائم" کے حوالہ سے مسلم دنیا کا ایک تجزیہ شائع کیا گیا جس میں یہودی جریدے نے "بنیاد پرستی" کے اعتبار سے چار ممالک کو سرفہرست قرار دیا تھا۔ ان میں سے ایک سوڈان ہے ۔ سوڈان میں اسلامی تحریک کے معروف راہنما' حسن عبداللہ ترابی گذشتہ دنوں اٹاوہ (کینیڈا) کے ہوائی اڈہ پر ایک حملہ میں شدید طور پر زخمی ہوگئے تھے۔ الحمد للہ کہ اب وہ صحت یاب ہو کر واپس خرطوم جاچکے ہیں ۔ اس موقع پر "دی واشنگٹن پوسٹ آن مڈل ایسٹ افیئرز" کے شمارہ جولائی ۹۲ء میں شائع ہونے والا ان کا تعارف قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے ۔ مدیر)

چھوٹے قد اور منحنی جسم والے سوڈان کے فقہی سکالر ' حسن عبداللہ ترابی کی شہرت کے مقابلے میں ان کا جسمانی وجود کوئی تناسب نہیں رکھتا۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس وقت وہ واحد دانش ور اور اسلامی سکالر ہیں جو تخیلات کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف کار ہیں ۔ بعض دوسرے لوگ انہیں مشرق وسطی میں سب سے خطرناک نظریاتی شخصیت قرار دیتے ہیں جو ہر قیمت پر سوڈان کو اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں ۔ ان کے برطانیہ اور شمالی امریکہ کے حالیہ خیرسگالی کے دورے کا مقصد کشیدگی میں کمی لانا اور اپنے خیالات کو بین الاقوامی سطح پر پیش کر کے مفاہمت کی راہ ہموار کرنا تھا جس کا اختتام ان پر افسوس ناک حملے کی صورت میں ہوا اور انہیں کینیڈا کے ایک ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑا۔

حسن ترابی ۱۹۳۲ء میں سوڈان میں پیدا

ہوئے ۔ اسلام کی روایتی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور ۱۹۶۴ء میں خرطوم ' لندن اور سوربون کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کیا ۔ بعد ازاں خرطوم یونیورسٹی میں شعبہ قانون کے ڈین رہے اور سوڈان کی اسلامی سیاست میں حصہ لیا۔ ۱۹۶۹ء میں جعفر نمیری کی حکومت نے انہیں جیل بھیج دیا اور وہ سات برس قید میں رہے ۔ ۱۹۷۶ء میں رہائی کے بعد اسی نمیری حکومت میں جو اس وقت بظاہر شریعت کے نفاذ کے لئے کوشاں تھی ' شامل ہوگئے مگر نمیری کے ساتھ موافقت برقرار نہ رہ سکی ۔ ان کے زوال پر انہوں نے صادق مہدی کی نئی حکومت میں شمولیت اختیار کرلی۔

۱۹۸۶ء میں ترابی نے نیشنل اسلامی محاذ (NIF) قائم کیا جس نے تیزی کے ساتھ سوڈان کی نہایت اہم اور منظم سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کرلی ۔ ۱۹۸۹ء میں لیفٹیننٹ جنرل عمر بشیر نے مہدی حکومت کو برطرف کر کے حکومت پر قبضہ کیا تو چند ماہ کے لئے ترابی کو بھی جیل میں رکھا ۔ وہاں سے رہا ہو کر انہوں نے دوبارہ NIF کی قیادت سنبھال لی ۔ اس دوران میں بشیر حکومت کے لئے NIF کی حمایت حاصل کرنا ناگزیر ہوچکا تھا کیونکہ ترابی کو حکومت اور فوج میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے ۔ اس کے علاوہ بطور سکالر ' منتظم اور ترجمان بین الاقوامی سطح پر بھی وہ ایک مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسلام کے قانون اور شریعت کی ترقی پسندانہ اور پُرمغز عصری تشریح کے ضمن میں ان کی بے شمار تصانیف ہیں ' اسلامی ملکوں کی تنظیم ' او آئی سی کے متوازی ادارے " عرب عوام کی اسلامی کانفرنس" کے وہ بانی اور اہم راہنما ہیں جو خلیجی جنگ کے دوران میں روایتی اعتدال پسندی کے خلاف قائم کی گئی ۔

اکثر مبصرین سوڈان میں اسلامی رجحانات کو عرب اور مسلم دنیا کے استحکام کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں جس کے لئے وہ بشیر حکومت کے ایران کے ساتھ روابط اور ریڈیکل اسلامی گروپوں کی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

Sudan hard-liner beaten in Ottawa

Reputed power behind regime under police guard in hospital